مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا کا ترجمان

ماہنامہ

فقیہ سرگودھا

مدیر

مولانا محمد الیاس گھمن

جلد نمبر 4 | دسمبر 2015 | شمارہ 12

مشن نبوت بطریق نبوت

آپ بیتی ڈاکٹر شیر علی شاہ

سیرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور بین الاقوامی مذہبی اختلافات



مرکز اہل السنۃ والجماعۃ

www.ahnafmedia.com

مرکز اہل السنت والجماعت سرگودھا کا ترجمان

ماہنامہ فقیہ سرگودھا

جلد نمبر 4 | دسمبر 2015 | شمارہ نمبر 12

مدیر
مولانا محمد الیاس گھمن

معاون مدیر
مولانا محمد کلیم اللہ حنفی

خط وکتابت کا پتہ

دفتر رسائل وجرائد
مرکز اہل السنت والجماعت
87 جنوبی سرگودھا
mag@ahnafmedia.com

بیرون ممالک

امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر...... سالانہ

سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر...... سالانہ

ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر...... سالانہ

آن لائن پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے
www.ahnafmedia.com

سرکولیشن منیجر
0332-6311808
صبح 8 تا 4 بجے شام

WhatsApp
+923062251253

قیمت فی شمارہ 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

سالانہ زرتعاون 300 روپے

ناشر مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

فہرست

مشن نبوت بطریق نبوت

...... اداریہ

اقوام عالم کا یہ شروع سے دستور چلا آرہا ہے کہ جب اپنے نظریات سے دوسرے لوگوں کو وابستہ کرنے کی "اجتماعی محنت" کرتے ہیں تو ایک "تحریک" وجود میں آجاتی ہے۔

دنیا بھر میں بے شمار دینی، مذہبی، سیاسی اور قوموں کے حقوق کے لیے غیر سیاسی تحریکیں اٹھیں ہیں۔ تاریخ کا بہت بڑا ذخیرہ ان کی کاوشوں اور کارناموں سے اَٹا پڑا ہے۔

کسی بھی تحریک کی افادیت، وسعت، جامعیت اور دائرہ عمل کا اندازہ لگانا ہو تو اس کے نصب العین، اغراض و مقاصد اور کارناموں پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔

ہم مسلمان اللہ کے سچے، آخری اور عالمگیر نبی کے امتی ہیں۔ آپ کی ختم نبوت کے صدقے "مشن نبوت" کو "طریق نبوت" پر تا قیامت سارے عالم میں پھیلانا اور بچانا ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔

لیکن ہر کسی کی ذمہ داری کا حلقہ محدود ہے۔ جہاں تک اس امت کے علماء کی ذمہ داری کا سوال ہے۔ تو یہ بات واضح ہے کہ علماء کرام کا طبقہ انبیاء کرام کا وارث ہے۔ اس ناتے ان پر ذمہ داریاں بھی اسی حساب سے عائد ہوتی ہیں۔

اس لیے علماء کرام کی ذمہ داری کا حلقہ چند افراد اور مخصوص علاقوں تک محدود نہیں بلکہ سارا عالَم ہے۔ ایک عالِم کے دل و دماغ میں جب تک سارے عالَم کی

ذمہ داری کا احساس بیدار نہیں ہوتا اس وقت تک فکری طور پر ایک عام انسان اور اس وارثِ نبی میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

وراثتِ نبوی میں ہمیں جہاں "مشن نبوت" ملا ہے وہاں "طریق نبوت" بھی نصیب ہوا ہے۔

مشن نبوت کے تین اہم اجزاء ہیں۔

نمبر1: مخلوق خدا کے عقائد و نظریات کو کفر، شرک، ارتداد، الحاد، زندقہ وغیرہ الغرض باطل کی آمیزش سے بالکل پاک وصاف کرنا۔

نمبر2: مخلوق خدا کے اعمال کو رسوم و رواج، خرافات و بدعات الغرض انسانی و شیطانی وساوس وفریب کاریوں سے پاک وصاف کرنا۔

نمبر3: مخلوق خدا کو عمدہ اور اعلی اخلاقیات کی تعلیم دینا جس میں فرق مراتب کے ساتھ انسانیت کی تعظیم اور تمام معاشرتی اقدار کو حسن سلوک سے آراستہ کیا گیا ہو۔

گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ مشن نبوت کا خلاصہ عقائد و نظریات، اعمال صالحہ اور عمدہ اخلاقیات میں منحصر ہے۔ ان سب کی اہمیت اور قدر و منزلت سر آنکھوں پر۔ لیکن ان میں جو درجہ عقائد و نظریات کا ہے وہ باقی اجزاء کا بھی نہیں۔

مشن نبوت کی اشاعت اور تحفظ میں طریق نبوت کو ملحوظ رکھنا لازمی عنصر ہے ورنہ مزاج نبوت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کے فوائد تو کجا، نقصانات اٹھانا پڑیں گے۔ جس کے ماضی میں تلخ تجربات سے امت بارہا دوچار ہو چکی ہے۔

طریق نبوت بھی مجموعی طور پر تین اجزاء پر مشتمل ہے۔

نمبر1: فکر ....یعنی سارے عالم میں مذہب اسلام پھیل جائے۔ جس کی بدولت لوگوں کو دنیا و آخرت کی ساری کامیابیاں نصیب ہوں۔

نمبر2: مسلسل سنجیدہ محنت ... مستقل مزاجی سے آزمائشی حالات، اعصاب شکن واقعات اور جان گسل مراحل کو خندہ پیشانی سے قبول کرنا۔

نمبر3: رجوع الی اللہ....یعنی فکر و محنت کے بعد نتائج کے حصول کے لیے اللہ کے حضور دل سے دعائیں مانگنا، تلاوت، ذکر اذکار اور واجبی و نفلی عبادات میں ہر گز غفلت نہ برتی جائے۔

یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ دورِ حاضر میں تمام دینی تحریکات جس نیک نیتی سے دین کی اشاعت و تحفظ کی محنت میں مصروف عمل ہیں ان سب کا سرچشمہ "مدارسِ اسلامیہ "ہیں۔

انہی مدارس سے دینی تحریکات، ادارے، جماعتیں اور افراد جنم لیتے ہیں۔ بلکہ اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو خود مدرسہ بہت بڑی "تحریک" ہے۔ جو عقائد و نظریات اور اعمال واخلاق کی تربیت گاہ ہے۔

یوں تو اللہ اپنے دین کا محافظ ہے لیکن درجہ اسباب میں مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔

اس لیے مدارس اسلامیہ میں زیر تعلیم و تعلم علماء و طلباء اور دیگر تمام دینی تحریکات سے وابستہ قائدین و کارکنان "احیائے دین" اور "بقاء اسلام" کے لیے مشن نبوت بطریق نبوت کے اصول پر سختی سے کاربند رہیں۔

اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

آمین بجاہ النبی الکریم۔

محتاج دعا

محمد الیاس گھمن

سیرتِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اور بین الاقوامی مذہبی اختلافات

......مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اسلام جینے سے پہلے اور مرنے کے بعد کے حالات کی جہاں خبر دیتا ہے وہاں دنیا میں ہر عمر کے حساب سے زندگی گزارنے کے انسانی، فطری، اخلاقی، قومی و ملی قوانین بھی دیتا ہے۔ اسلام؛ اتحاد و اتفاق کا سب سے بڑا نا صرف علمبردار بلکہ گزشتہ ادوار میں عملاً نافذ العمل مذہب بھی رہا ہے۔

اسلام؛ پوری روئے زمین پر علمی، عملی، قومی اور ملی فسادات کو ختم کر کے امن و آشتی، انصاف و عدل، راحت و چین کے ساتھ مکمل آزادی کا حق دیتا ہے۔ یہ محض تجاویز پیش کرنے پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ عملی زندگی میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ سابقہ اقوام کے عروج وزوال کی محض داستانیں ہی نہیں سناتا بلکہ ان سے سبق اور عبرت حاصل کرنے کے لیے دعوتِ فکر دیتا ہے۔

1: انسان کا رشتہ خالق سے جوڑے رکھنے کے لیے عقائد و نظریات اور عبادات کا حکم دیتا ہے۔

2: انسان کا رشتہ بحیثیت امتی نبی کے ساتھ جوڑے رکھنے کے لیے ایمان بالنبی اور اطاعت نبوی کا حکم دیتا ہے۔

3: انسان کا رشتہ انسان سے صحیح طور پر جوڑے رکھنے کے لیے اخلاقیات اور حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔

4: انسان کا رشتہ معاشرے سے جوڑے رکھنے کے لیے عمدہ معاشرت کا حکم دیتا ہے۔

5: انسان کا رشتہ ضروریات زندگی سے جوڑے رکھنے کے لیے صاف شفاف معاملات کا حکم دیتا ہے۔

اگر مذکورہ بالا تمام فطری اور انسانی اقدار کو اسلام کے احکام کے مطابق تسلیم کر کے عمل کیا جائے تو کرۂ ارض پر انسانوں کا نہیں "انسانیت" کا راج ہو گا۔

لیکن زمینی حقائق یہ بتلاتے ہیں کہ جب تک اسلامی دستور العمل عملاً نافذ رہا تب تک تو یہ دنیا امن کا گہوارہ تھی اور جب خدا تعالیٰ کے آفاقی احکامات کے بجائے انسانوں کی تدبیر پر اصول ہائے جہاں بانی کی بنیاد رکھی گئی تو بدامنی، لاقانونیت، فتنے، معاصی، خودسری، خود غرضی اور دیگر شیطانی محرکات نے جنم لیا۔ نتیجہ آج انسان اتحاد کے بجائے اختلافات وافتراق کی دوزخ میں جل رہا ہے۔

مذہبی، سیاسی، قومی، خاندانی اور نسلی اختلافات نے اس کی روحِ آزادی کو نہ صرف زخمی کیا بلکہ اس کے سارے نظام کو عالمی سطح پر مفلوج اور بے کار کر دیا ہے۔ محض انسانی تدابیر کی کوکھ سے جن سانحات وحادثات نے جنم لیا پھر اسی کو بار بار آزمانے کی مسلسل روش نے انسان کو آج تک امن وآزادی اور سکون وراحت نصیب نہیں ہونے دی۔ نظامِ عالم پر متعدد انسانی تجربات کو آزمایا گیا، قیامِ امن کی تجاویز وآراء پر سنجیدگی سے کئی بار غور کیا گیا، نئے قوانین بھی وضع کیے گئے لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بنیادی خامیوں کو دور کیے بغیر امن کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا خود ایک خواب بن گیا۔

جبکہ اسلام سارے عالم میں قیامِ امن کا محض مدعی ہی نہیں بلکہ حقیقتاً نظامِ

امن نافذ بھی کر چکا ہے۔ جس کے فوائد و ثمرات اپنے پرائے، دوست دشمن، مسلم وکافر سبھی کے ہاں تسلیم شدہ ہیں۔ انسانی تدابیر سے پیدا ہونے والے اس وقت جتنے بھی اختلافات ہیں بنیادی طور پر مندرجہ ذیل اختلافات میں منحصر ہیں۔ مذہبی، قومی، سیاسی، نسلی، علاقائی، خاندانی اختلافات؛ ان سب کا حل ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ کی سیرتِ طیبہ میں ملتا ہے۔

مذہبی اختلافات:

دورِ حاضر میں باہمی اختلافات میں سے جو سب سے بڑا اختلاف، افتراق و انتشار بلکہ جنگ و جدال قتل و غارت اور منافرت و دشمنی کا باعث ہے وہ یہی مذہبی اختلاف ہے۔

ایک مذہب کے لوگ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے لیے تنگ دل بلکہ سخت دل ہیں۔ مذہب کے نام پر کئی خاندانوں کے خاندان کئی نسلوں کی نسلیں کئی قوموں کی قومیں کئی ملکوں کے ملک صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔

عدمِ برداشت، عدمِ رواداری و تحمل کی روش نے لاکھوں انسانوں کو موت کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ اس وقت بھی بین الاقوامی سطح پر باہمی مصالحت، اتحاد و اتفاق قائم کرنے کیلیے مختلف منصوبوں پر عمل درآمد کرانے کے لیے کئی ممالک، ادارے، جماعتیں اور تنظیمیں اپنا کردار دکھانے میں سر توڑ محنت کر رہی ہیں۔ مذاکرات، ڈائیلاگ، مصالحت اور عسکری قوت کے زور پر الغرض تمام اسباب کو بارہا بروئے کار لایا بھی گیا لیکن حالات جوں کے توں ہیں۔

دنیا میں بسنے والی مختلف اقوام کے مزاجی اختلافات اسی گتھی کو مزید الجھا رہے ہیں عقلی طور پر جتنی صورتیں بظاہر ممکن نظر آرہی ہیں حقیقت میں مذہبی

اختلافات کو ختم کرنے کے لیے ناممکن ہیں۔

مثلاً کسی فرد کے بارے میں یہ تصور کر لیا جائے کہ فلاں شخصیت پر تمام اقوام اور افراد متفق ہو جائیں اور اسی ایک کی بات مان کر اختلافات کو ختم کر لیا جائے۔

ایسے شخص کے لیے دو بنیادی خوبیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔

1: اس کا علم وسیع تر ہو وہ تمام اقوام کے فطری جذبات اور ضروریات اور اغراض سے واقف ہو۔

2: لوگوں کے معاملات کی اصلاح بھی کر سکتا ہو۔

یہ صورت عقلاً تو ممکن ہو سکتی ہے لیکن فی الواقع بہر طور ناممکن ہے کیونکہ انسانوں کے مزاج میں تفاوت ہے۔ یہ تفاوت ان کو ایک مرکزی نقطے پر متحد نہیں ہونے دیتا۔ دوسری صورت یہ بھی عقلی طور پر ممکن ہے کہ کسی ادارے کو تمام اقوام متفقہ طور پر حاکمیت سونپ دیں پھر اس ادارے کے ہر حکم کو قبول بھی کریں لیکن فی الواقع اس میں بھی عمل کرنا؛ناممکن ہے۔ کیونکہ ادارے میں جس قوم کے افراد کی تعداد زیادہ ہوگی وہی قوم اس ادارے سے اپنے مفادات سمیٹے گی، باقی اقوام پھر محرومی اور ناانصافی کا شکار ہو کر رہ جائیں گی۔ اگر آپ اس کی جیتی جاگتی مثال دیکھنا چاہتے ہیں تو اس وقت کی معروف تنظیم "اقوامِ متحدہ" کو دیکھ لیں۔

اس حوالے سے اسلام کی تعلیمات سیرتِ طیبہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام کی روشنی میں یہ ہیں کہ کسی شخص یا ادارہ، جماعت یا تنظیم کی حاکمیت، تسلیم کرنے کے بجائے ان کے خالقِ حقیقی کی حاکمیت کو تسلیم کیا جائے۔ جس کے ہر فیصلے پر من وعن عمل کیا جائے۔

کیونکہ نوع انسانیت کا خالق وہی ہے، وہی ان کی تمام ضروریات کو بخوبی سن

سکتا ہے، جان سکتا ہے اور ان کو حل بھی کر سکتا ہے۔ اس میں ظلم و جور کا شائبہ بھی نہیں اور مفاد پرستی کا تصور بھی نہیں۔ چونکہ وہ تمام مخلوقات کا خالق ہے اس لیے عقل کا مقتضاء بھی یہی ہے کہ صرف اسی ہی کو حاکم تسلیم کیا جائے۔

اسی ممکنہ و مشترکہ پلیٹ فارم پر اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کو خطاب کیا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ (سورۃ آل عمران آیت 64)

ترجمہ: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی مشترکہ بات پر جمع ہو جائیں کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود نہیں مانیں گے اور ہم اس کی ذات وصفات (خاصہ) کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور اللہ کے علاوہ کوئی کسی اور کو رب نہ مانے۔ اگر وہ اس عہد وپیمان سے پھر گئے تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو ماننے والے ہیں۔

اعلان فرمایا: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔

(سورۃ آل عمران آیت 103)

ترجمہ: اللہ کی رسی (قرآن، توحید) کو مضبوطی سے تھامو اور باہم افتراق وانتشار کا شکار نہ بنو۔

توحید ہی ایسی رسی ہے جس کو تھامنے سے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں لیکن اس مقام پر مندرجہ ذیل تفصیل کو بطور خاص ملحوظ رکھا جائے ورنہ اختلافات کے خاتمہ کا تصور ماند پڑ جائے گا۔ اس خدائی اصول کی تشریح ہر شخص اپنی طرف سے نہ کرے ورنہ مختلف تشریحات کا ملغوبہ نئی الجھن میں ڈال دے گا۔ بلکہ اس کی تشریح وہ معتبر

کہلائے گی جو اس دل سے زبان کے راستے ظاہر ہو جس دل پر یہ اصول نازل کیا گیا اور جس کی زبان مبارک کو یہ اعزاز سونپا گیا ہے کہ قرآن آپ پر نازل ہو گا اور اس کی تشریح آپ لوگوں کو سمجھائیں چنانچہ وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس اس لیے قرآن کا وہ مطلب مراد لیا جائے جو مطلب اللہ کے برحق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا وہ مطلب مراد لیا جائے جو صحابی نے بیان کیا۔ اسلام کے معتدل مذہب ہونے کی ایک وزنی دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں سابقہ تمام سچے مذہبی پیشواؤں پر ایمان لانا اور ان کی عزت و توقیر لازمی ہے۔ اس کے برخلاف آج کے یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی تو ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بالخصوص خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف نبی اور رسول بلکہ خدا اور خدا کے بیٹے ماننے کے مدعی ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے انبیاء و رسل مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ اور بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو یکسر نہیں مانتے۔

جبکہ اسلام لا نفرق بین احد منھم کہ تمام سچے انبیاء و رسل پر ایمان لانے میں تفریق نہیں کرتا ہاں ان کے فرق مراتب کو ضرور ملحوظ رکھتا ہے۔ فضلنا بعضھم علی بعض۔ ایمان لانے کا مطلب واضح ہے کہ وہ اپنے وقت میں اللہ کے برحق سچے نبی اور رسول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی اب ان کی شریعت کو خداوند کریم نے منسوخ فرما دیا ہے۔ اب تا قیامت شریعت محمدیہ اللہ کے ہاں معتبر اور پسندیدہ و مقبول ہے۔



63سالہ حیاتِ نبوی ﷺ کی ایک جھلک

مفتی محمد راشد ڈسکوی حفظہ اللہ

سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت پیر کے روز صبح صادق کے وقت ربیع الاول، عام الفیل۔ بمطابق اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند مہینے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ محترم "عبد اللہ" کی وفات ہوگئی، آپ کے داداجان "عبد المطلب" کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی "محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب" ہے، اور آپ کی والدہ محترمہ "آمنہ کی طرف سے آپ کا نام "احمد" تجویز ہوا۔ ابو لہب کی آزاد کردہ باندی "ثویبہ رضی اللہ عنہا" کے چند دن دودھ پلانے کے بعد شرفاءِ قریش کی عادت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا" کی رضاعت میں دے کر مضافاتِ مکہ میں بھیج دیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ دن کے تھے۔

ولادت کے چوتھے سال:

شق صدر کا واقعہ پیش آیا، مؤرخین لکھتے ہیں کہ شق صدر کا واقعہ چار بار پیش آیا، ایک: زمانہ طفولیت میں حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس، دوسری بار دس سال کی عمر میں پیش آیا۔

(فتح الباری: ۱۳۰/ ۴۸۱)

تیسری بار: واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا۔

(مسند أبی داؤد الطیالسی، ص: ۲۱۵)

اور چوتھی بار: واقعہ معراج کے موقع پر۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث:۳۴۹)

بعض نے پانچویں بار کا شق صدر بھی ذکر کیا ہے، لیکن وہ صحیح قول کے مطابق ثابت نہیں ہے۔

(سیرۃ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم:۱/۷۵)

آپ چھ سال تک "حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا" کی پرورش میں رہے۔

ولادت کے چھٹے سال:

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے اپنے میکے میں ایک ماہ کا قیام کیا، وہاں سے واپسی پر مقام ابواء میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں۔

(شرح المواہب للزرقانی:۱/۱۶۰)

ولادت کے ساتویں سال:

آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی تربیت میں پروان چڑھتے رہے۔

ولادت کے آٹھویں سال:

"دادا محترم" کا انتقال ہو گیا، دادا کے انتقال کے بعد آپ اپنے چچا "ابو طالب" کی پرورش میں آ گئے۔

(طبقات ابن سعد:۱/۷۴)

ولادت کے بارھویں سال:

آپ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کے پہلے تجارتی سفر میں شرکت کی، اسی سفر میں بحیرہ راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پیش گوئی بھی دی۔

(الخصائص الکبری:۱/۸۴)

ولادت کے چودھویں سال یا پندرہویں سال:

اور بعض روایات کے مطابق بیسویں سال عربوں کی مشہور لڑائی ''حرب الفجار'' پیش آئی، اس جنگ میں آپ اپنے بعض چچاؤں کے اصرار پر شریک تو ہوئے لیکن، قتال میں حصہ نہیں لیا۔

(روض الانف:۱/۱۲۰)

ولادت کے سولہویں سال:

میں آپ نے اہل مکہ کے حلف الفضول نامی معاہدے میں شرکت کی۔

ولادت کے پچیسویں سال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر تجارت کا دوسرا سفر شام کی طرف کیا، سفر سے واپسی پر اس سفر میں پیش آنے والے واقعات، تجارتی نفع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وواقعات سن کر دو مہینہ اور پچیس روز کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نکاح کا پیغام بھجوا کر آپ سے نکاح کر لیا۔ (طبقات ابن سعد:۱/۸۳)

ولادت کے پینتیسویں سال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی ہونے والی تیسری تعمیر کے وقت حجرِ اسود کو اپنے دستِ اقدس سے نصب فرما کر خانۂ جنگی کے لیے کمر بستہ قبائل قریش کے درمیان باہمی محبت والفت پیدا فرما دی اور اس کٹھن مرحلے کو بحسنِ خوبی انجامِ خیر تک پہنچایا۔ (سیرت ابن ہشام:۱/۶۵)

حیات طیبہ کے انتالیس سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار ایسا بے

مثال رہا کہ اپنے تو اپنے، بلکہ غیروں کی زبان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور امین ہیں۔

ولادت کے چالیسویں سال:

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ وقت غار حرا میں گذارا، یہاں ہی آپ کے سر پر نبوت کا تاج رکھا گیا۔

نبوت کے پہلے سال:

غارِ حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ (شرح المواہب:۱/۲۰۷)

باتفاق مؤرخین آپ کو نبوت اتوار کے دن عطا ہوئی، لیکن مہینہ کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے، ابن عبد البرؒ کے نزدیک آٹھ ربیع الاول کو نبوت سے سرفراز ہوئے، اس قول کی بنا پر بوقت بعثت آپ کی عمر چالیس سال تھی۔ جب کہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے قول کے مطابق سترہ رمضان کو آپ کو نبوت ملی، اس قول کے مطابق بوقتِ بعثت آپ کی عمر چالیس سال اور چھ ماہ تھی، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (فتح الباری، کتاب التعبیر:۱۲/ ۳۱۳)

نبوت کے دوسرے سال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ تبلیغ فرماتے رہے، اسی سال حضرت خدیجہ، حضرت ورقہ بن نوفل، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت جعفر بن ابی طالب، حضرت عفیف کندی، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت خالد بن سعید، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عمار، حضرت صہیب، حضرت عمرو بن



عنبسہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ یہ سب اور کچھ دیگر حضرات صحابہ سابقین اولین صحابہ کہلاتے ہیں۔

نبوت کے تیسرے سال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ کی ولادت ہوئی۔

نبوت کے چوتھے سال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان دعوتِ دین دینے کا حکم ہوا، جس کی بنا پر کفار خصوصاً قریش کی طرف سے بھی کھلم کھلا دشمنی، اور بغض وعداوت کا مظاہرہ ہونے لگا اور اسی سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی۔

نبوت کے پانچویں سال:

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے، اسی سال حبشہ کی طرف پہلی اور دوسری ہجرت ہوئی، پہلی ہجرت میں گیارہ مرد اور پانچ عورتیں شامل تھیں۔ (فتح الباری:۱/ ۱۸۰)

اور دوسری ہجرت میں چھیاسی مرد اور سولہ عورتیں شامل تھیں۔

(سیرۃ ابن ہشام:۱/ ۱۱۱)

اسی سال حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابو جہل ملعون کے ہاتھوں شہادت نصیب ہوئی، یہ اسلام کی خاطر شہید ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔

نبوت کے چھٹے سال:

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کی

برکت سے مسجدِ حرام میں نماز اعلانیہ ادا کی گئی۔ (شرح المواہب:۱/۲۷۶)

نبوت کے ساتویں سال:

مقاطعۂ قریش کا واقعہ پیش آیا، آپ علیہ السلام کے ساتھ بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے گئے، اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔

(روض الانف:۱/ ۲۳۲)

نبوت کے آٹھویں سال:

مشرکین مکہ کے مطالبہ پر شقِ قمر کا بے مثال معجزہ رونما ہوا۔

(البدایہ والنہایہ:۳/ ۱۱۸)

نبوت کے نویں سال:

میں بھی شعب ابی طالب میں ہی محصور رہے۔

نبوت کے دسویں سال:

مقاطعہ ختم ہوا اور اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کا انتقال ہوا۔ ان کے انتقال کے تقریباً تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو عامُ الحزن قرار دیا۔

(شرح المواہب:۱/ ۲۹۱)

اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، اور اسی سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ اور اسی سال واقعۂ طائف بھی پیش آیا۔

(البدایہ والنہایہ:۳/ ۱۳۵)

نبوت کے گیارہویں سال:

مدینہ سے آنے والے حاجیوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے تقریباً چھ آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے، اس سے انصار کے اسلام کا آغاز ہوا۔
(البدایہ والنہایہ: ۳/۱۴۸)

نبوت کے بارھویں سال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور امت پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اسی سال بیعت عقبۂ اولیٰ ہوئی۔ جس میں ۱۲ اَفراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔
(شرح المواہب: ۱/ ۳۱۶)

نبوت کے تیرھویں سال:

بیعت عقبۂ ثانیہ ہوئی، جس میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ اسی سال مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی۔ اسی سال قریش نے نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اجازت ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدنی دور:

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد کی حیاتِ مبارکہ کا دور ''مدنی دور'' کہلاتا ہے، جو کہ بڑا تابناک دور ہے جس میں آپ علیہ السلام کی اَن تھک

کوششوں، محنتوں اور قربانیوں کے سبب اسلام کو غلبہ ہی غلبہ ملا، آپ علیہ السلام کی جانثار جماعتِ قدسیہ کے سرفروشوں نے اسلام کی نشرواشاعت کے لیے آپ علیہ السلام کے اشاروں پر اپنا تن من دھن سب کچھ لٹادیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ علیہ السلام کے اس بے مثال دور کا نقشہ کھینچنے کی منظر کشی اتنی طویل ہے کہ شاید کئی ضخیم مجلدات کا پیٹ بھی اس موضوع کو اپنے میں نہ سماسکے، ذیل میں بہت ہی اختصار کے ساتھ ہجرت کے بعد کی زندگی کو اشارۃً بطورِ ایک جھلک کے پیش کیا جاتا ہے۔

ہجرت کا پہلا سال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تین دن تک غارِ ثور میں رُوپوش رہنے کے بعد یکم ربیع الاوّل مدینہ کی جانب ہجرت کی، اسلام کی پہلی مسجد مسجدِ قباء کی بنیاد رکھی، مدینے کے یہودی اور آس پاس کے رہنے والے قبیلوں سے امن اور دوستی کا عہد نامے ہوئے۔ اسی سال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی سال مسجد نبوی کی بھی تعمیر کی گئی۔ اذان واقامت کی ابتداء بھی کی گئی۔ انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک مثالی بھائی چارہ قائم ہوا، جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ اسی سال شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بھی ہوگئی۔

ہجرت کے دوسرے سال:

مسلمانوں پر جہاد فرض ہوا، رمضان کے روزے، زکوٰۃ، صدقۃ الفطر اور عیدین کی نمازیں فرض ہوئیں۔ مسجد اقصیٰ کے بجائے بیت اللہ کو جہتِ قبلہ قرار دیا گیا۔ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال بھی اسی سال ہوا۔ حق و باطل کا پہلا غزوہ بدر بھی اسی سال پیش آیا۔

ہجرت کے تیسرے سال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حفصہ بنت فاروق رضی اللہ عنہا سے اور اس کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی، آپ کی لختِ جگر حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ گستاخانِ رسول کعب بن اشرف اور ابو رافع کو جہنم رسید کیا گیا۔ اسی سال غزوۂ اُحد کا واقعہ پیش آیا۔

ہجرت کے چوتھے سال:

بنو نظیر کی جلاوطنی ہوئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ اور شراب کے حرام ہونے کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

ہجرت کے پانچویں سال:

شرعی پردہ کا حکم نازل ہوا، زنا کی سزا کا حکم ہوا، صلاۃ الخوف کی مشروعیت ہوئی، تیمم کی اجازت ملی، واقعہ افک ہوا اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں سورۃ النور نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ غزوہ خندق، غزوہ بنی مصطلق اور غزوۂ بیر معونہ پیش آیا، جس میں ۷۰ حفاظ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دھوکے سے شہید کیا گیا۔

ہجرت کے چھٹے سال:

مالدار مسلمانوں پر حج فرض ہوا۔ سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ اسی سال حدیبیہ کی صلح ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم 1400 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہمراہ حج کے لیے روانہ ہوئے۔

صلح حدیبیہ سے واپسی کے بعد دیگر ممالک کے بادشاہوں کو دعوتی خطوط روانہ فرمائے۔ اسی سال مدینہ منورہ میں قحط پڑا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے دور ہوا۔

ہجرت کے ساتویں سال:

غزوہ خیبر پیش آیا۔ اس غزوہ سے واپسی پر لیلۃ التعریس کا واقعہ پیش آیا، جس میں پورے لشکر کی نماز فجر قضا ہوگئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

ایک یہودی عورت زینب بنت حارث کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے کی کوشش کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان، حضرت میمونہ بنت حارث، اور حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہن سے نکاح ہوا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ کی آخری زوجہ ہیں۔

ہجرت کے آٹھویں سال:

حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ القضاء فرمایا، غزوہ موتہ اور فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غزوہ حنین

وطائف ہوا۔ حضرت ابوبکر کے والد ابوقحافہ نے اسلام قبول کیا۔اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

ہجرت کے نویں سال:

غزوۂ تبوک پیش آیا اور اس غزوہ سے واپسی پر منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ضرار کو منہدم کر دیا گیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سلول کی موت ہوئی۔ اس سال ستر/70 سے زائد وفود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سورۃ التوبہ نازل ہوئی۔ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایلا کیا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔

اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گرے، جس کی وجہ سے دائیں پہلو اور پنڈلی پر خراش آئی، اسی سال حج فرض ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر تین سو افراد کے ساتھ حج کے لیے بھیجا گیا۔

ہجرت کے دسویں سال:

مسیلمہ کذاب نے اور اسود عنسی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔اس خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن موجود تھیں، جن کی تعداد ۹ تھی۔اور صحابہ کرام کی تعداد 1,00,000 (ایک لاکھ) سے متجاوز تھی۔

اس موقع پر اسلام کے سارے اصول سمجھا دیئے گئے۔ جاہلیت کی رسموں کو اور شرک کی باتوں کو ملیامیٹ فرما دیا اور امت کو الوداع کہتے ہوئے پوری امتِ مسلمہ بلکہ پوری کائنات کو یتیم کرتے ہوئے اپنے محبوبِ حقیقی جل جلالہ سے جا ملے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون

تِری عظمت کے مقابل میرا سجدہ کیا ہے؟

✍...... عزیز بلگرامی حفظہ اللہ

سائنس کو اِس بات کا اعتراف ہے کہ کائنات کا ننانوے فی صد سے بھی زائد مادہ یا Matter نہ ضبطِ جستجو ہی میں آسکا ہے اور نہ کسی طاقتور دوربین کی نگاہ میں سما ہی سکا ہے۔ اِس ترقی یافتہ دور کے Cosmologists کا بیان ہے کہ جس قدر کائنات انسانی ادراک کے احاطے میں آچکی ہے اُس کا مادہ دیگر نامعلوم کائناتوں میں موجود مادّے کا ایک ادنیٰ سا حصہ ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ فضائے بسیط میں تیرنے والی کہکشائیں، اِس بنا پر گم نہیں ہو پاتیں کہ یہ دوسری کہکشاؤں یا کاسمک مادوں سے کسی قوت کے ذریعہ بندھی ہوئی ہیں۔ Big Bang Theory کہتی ہے کہ انتہائی کثیف اور انتہائی گرم کائنات ابتداء میں ایک جان یا Compact شکل میں تھی۔ پھر ایک زبردست کاسمک Cosmic دھماکہ نے ایک ایسی صورتحال پیدا کردی کہ کائنات کے پھیلنے کے عمل کا آغاز ہوگیا اور یہ تسلسل کے ساتھ ہر لمحہ جاری ہے۔ 1915ء میں مشہور سائنسدان البرٹ آئنس ٹائن نے Theory of Relativity پیش کی تھی اور اِسی تھیوری کی بنیاد پر اس Big Bang Theory کی صورت گری ہوئی تھی ۔ اکیسویں صدی میں ، جسے سائنسی دھماکوں کی صدی بھی کہا جاتا ہے، جس دھماکہ خیز واقعہ کی بظاہر انسانوں کو خبر ہوئی، چودہ سو سال پہلے، جب کہ اُس وقت جدید سائنس کا جنم بھی نہیں ہوا تھا، ربِّ کائنات نے اپنی آخری کتاب میں کیا اس کا تذکرہ نہیں کردیا تھا؟

اکیسویں سورۃ” الانبیاء“ کی تیسویں آیت میں نہایت واضح الفاظ یہ ہیں:

”حقائق کا انکار کرنے والے انسان کیا اتنا غور نہیں کرتے کہ آسمان اور زمین اور ساری چیزیں ایک ہی واحد یونٹ کی طرح تھیں، پھر ہم نے انہیں یکبار گی ہی جدا جدا کر دیا اور ہم نے مائع (پانی) سے ہر شے میں حیات ڈالی، تو کیا پھر بھی انہیں ماننا نہیں ہے؟“

پتہ نہیں کتنے کروڑوں سال قبل یہ واقعہ رونما ہوا ہوگا! تاہم چودہ سو سال قبل اِس حقیقت کی خبر کے پیچھے رب تعالیٰ کی یہی مشیت کار فرما نظر آتی ہے کہ آسمانی کتاب کے ذریعہ انسانوں پر یہ حقیقت کھول دی جائے تاکہ دنیا سائنسی دریافتوں اور انکشافات کی راہ میں ترقی کرتی چلی جائے۔ لیکن افسوس کہ انسان پھر بھی بات کو سمجھ نہیں پائے۔ یہاں تک کہ یہ آیت عصرِ حاضر کے انسانوں کے لئے ایک بر محل شہادت بن کر سامنے آئی اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ یہ کتاب کسی انسانی کاوشِ فکر و نظر کا نتیجہ نہیں ہے۔ اگرچہ کہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا تھا کہ یہ کتاب رب تعالیٰ کی نازل کردہ ہے اور یہ کوئی انسانی تصنیف نہیں، جسکا ذکر چھبیسویں سورۃ الشعراء کی آیات ۱۹۲ تا ۱۹۵ میں فرمائی:

” اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے آپ کے قلب مبارک پر اُتارا گیا ہے، جسے جبریل روح الامین لے کر اُترے ہیں، تاکہ آپ ساری انسانیت کو وارننگ دیدیں، یہ صاف، شستہ، آسان عربی زبان میں ہے۔“ اس پر مستزاد یہ کہ اٹھائیسویں سورۃ کی آیت چھیاسی میں فرمایا: ”اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو اس کے امیدوار بھی نہ تھے کہ آپ پر آسمانی وحی اتاری جاتی، یہ تو سراسر رحمت ہے آپ کے رب کی۔“ اور یہ بھی صاف صاف اعلان کروایا کہ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ، ”میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جس کی وحی مجھ پر رب العالمین کی طرف سے آتی ہے۔“

قرآنِ حکیم اُسی باعظمت رب ہی کی تو کتاب ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ایک ہی لفظ ''کُن'' سے پیدا فرمادیا۔ وہی ربِّ ذوالجلال ہی تو ہے جو اِس بے پناہ کائنات کے ایک ایک ذرّے کا نہ صرف خالق ہے بلکہ وہ اُس کی نگہبانی بھی کررہا ہے۔وہ انسان جو اکتشافات پر اِتراتے نہیں تھکتا، اُسے چاہیے کہ کائنات میں اپنی حیثیت کا ادراک اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرلے۔ وہ انسان جن کے دامن میں کتاب اللہ کا نور سمٹ آیا ہے، اُن پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ خاموش بیٹھنے کا تصور تک نہ کریں، بلکہ پیغامِ کتاب اللہ کی ترسیل کو پوری امانت داری کے ساتھ اپنے سر لیں اور دنیا کے بے نور سینوں کو منور کرتے ہوئے خود اپنی زندگیوں کو بھی منور کرلیں۔

سائنس کے بے خدا علمبردار اگر کتابِ الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یقینی ہے کہ سائنسی اکتشافات کی رفتار تیزتر بھی ہوجائے گی اور اخلاقی ضابطوں میں بندھ کر یہ ترقی روحانی قدروں سے مزیّن بھی ہو جائے گی اور جن تباہ کارو مہلک ہتھیاروں کی دوڑ میں یہ بے خدا سائنسدان دنیا کے قائدین کو اُلجھا رکھا ہے اور کاروبار کی نام ونہاد نفع بخشی کے خوابوں کو ان کی بے نور آنکھوں میں سجادیا ہے، اگر یہ چاہیں تو اِن ہی ترقیوں کو سسکتی، بلکتی انسانیت کے زخموں کا مداوا بنا سکتے ہیں۔

مادہ ہو یا مائع، ہوا ہو یا لوہے کی مانند سخت منرلس، گیسیں ہوں یا ٹھوس اشیاء، نظروں کی گرفت میں آنے والا آسمان ہو یا نہ نظر آنے والی کائنات، غرض کہ ہر شئے نے اُسی مالک کے ہاتھوں اپنے وجود کا جامہ پہنا ہے، جس نے نہ صرف کائنات بنا دی ،بلکہ ''کل یوم ھو فی شان'' والی آن بان کے ساتھ ہر لمحہ اس کے تخلیقی کارناموں کا سلسلہ جاری ہے۔ پھر یہ کہ رب تعالی نے کائنات کو ایک بار وجود عطا کر کے

بس یوں ہی چھوڑ نہیں دیا ہے بلکہ اسے مسلسل وسعت بھی دیئے جا رہا ہے۔ جیسا کہ اکاونویں سورت کی سینتالیسویں آیت میں درج ہے: "اور آسمان کو ہم ہی نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے اور ہم وسعت دیئے ہی جاتے ہیں۔"

خلائی سائنس کے محققین کا حال یہ ہے کہ وہ ثبوت کے نام پر دنیا کے سامنے اب تفصیلات پیش کر رہے ہیں کہ یہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے جبکہ اِس ثبوت کے فراہم کیے جانے کے چودہ صدیوں قبل ہی ربِ کائنات نے یہ معلومات اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی ہی کتاب میں نازل فرمادی تھیں۔ اِس لیے دعویٰ ثبوت کے بجائے مقام عبرت سمجھتے ہوئے مالک کائنات کی قوتوں اور طاقتوں کا اعتراف ہونا چاہیے، بے بضاعتی وانکساری کی کیفیت اُبھرنی چاہیے، جملہ انسانوں کے تیئں فکر مندی اور انصاف پسندی کے جذبات مستحکم ہونے چاہئیں، ظلم وزیادتی کے سد باب کے ساتھ انسانی فلاح وبقا کی فکر مقدم رہنی چاہیے، اور جو افراد خود کو حاملین قرآن کہتے ہیں انہیں خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر کم از کم اب تو سوچنا چاہئے کہ دنیا کی سائنسی امامت تو دور کی بات ہے، آخر کیا بات ہے کہ اِس میدان میں آخری صف میں بھی انہیں کوئی مقام کیوں حاصل نہیں ! کہیں ایسا تو نہیں کہ کتاب اللہ کو اسکے جائز وقار اوراِس کی عظمت کو اہمیت نہیں دی گئی، جیسا کہ اِس کا حق تھا!!

ویسے بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ سائنسی نظریات بدلتے رہتے ہیں اوراِن ہی تبدیلیوں کے حوالے سے ارتقاء بھی ہوتا رہتا ہے۔ Big Bang Theory کا پیش کیا جانا ہی ایسے ارتقاء کا ایک ثبوت ہے جس کے ذریعہ یہ حقیقت جاں گزیں ہو جاتی ہے کہ رب کائنات ہی قوت وحشمت کا سرچشمہ ہے کہ جو ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ایک ہی دھماکے کے ذریعہ اتنی عظیم کائنات کو وجود میں لا سکتا ہے اور اُسی کو یہ قدرت

حاصل ہے کہ وہ صور میں ایک ہی پھونک کے ذریعہ اس پوری کائنات کو ختم بھی کر دے؟ ہمیں پتہ بھی نہیں کہ کتنے کروڑوں سالوں پہلے یہBig Bang والا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہو گا؟ ضروری بھی نہیں کہ اِس کا ہمیں پتہ ہو۔ہاں! البتہ ہمیں فکر ہونی چاہیے کہ کب صور میں پھونک دیا جائے گا کہ جس کے نتیجہ میں کب، کس لمحہ ساری کی ساری کائنات لپیٹ کر پھینک دی جائے گی!

یہ خبر تو ہمیں ہے ہی کہ کچھ قوتیں ہیں، جیسے کشش ثقل، برقی قوت، مقناطیسی اور نیوکلیائی قوتیں ،جو ہمارے اطراف کار فرما ہیں، جن کی تخلیق ایک زبردست قوتوں والے رب ہی کے دستِ قدرت سے ممکن ہوئی ہے اور اُسی ربِّ باحشمت نے ان ساری طاقتوں کو پھیلا دیا ہے۔ نظریہ کہتا ہے کہBig Bangکے معاً بعد اگلے ہی لمحے پروٹون تیار ہوئے، پھر فوراً ہی پروٹون اور نیوٹران کے باہمی ملاپ سے مرکزے یا Neucleous وجود میں آئے،Big bang کے کئی ملین سالوں بعد تک وجود میں آنے والی گرمی ایک مقرر رفتار سے ٹھنڈی ہوتی رہی، پھر پروٹون اور الیکٹرون کے باہمی میل سے ہائیڈروجن کے جوہر وجود میں آئے۔ گو کہ یہ معلومات حیرت انگیز ہیں، تاہم سائنس کی اِن معلومات کو کبھی حتمی نہیں کہا جاسکتا۔1929ء کے بعد سے آج تک مزید انکشافات کے سبب اس تھیوری میں تبدیلیاں ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ مثلاً فضا میں ہیلیم گیس کی غیر موجودگی سے کئی نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں۔ اس ساری صورتحال میں ہمیں دو سبق ضرور ملتے ہیں۔ اولاً یہ کہ خالقِ کائنات کی قوت کا اندازہ لگانا کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں۔ ثانیاً، یہ کہ ایک طرف اس کائنات کو صور میں ایک ہی پھونک سے ختم کرنے کے بعد صور میں دوسری پھونک سے، ایک لمحے کے توقف کے بغیر اپنی مرضی کی شکل وصورت میں وہ

دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اِن دونوں اسباق کا تذکرہ خالقِ کائنات نے اپنی کتاب میں کر دیا ہے اور ایک تیسرے سبق کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ یہ تیسرا سبق ہمیں چالیسویں سورہ کی ستاونویں آیت میں موجود ہے کہ:''آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے بھی بڑا کام ہے! لیکن انسانوں کی اکثریت اس کا احساس نہیں کر پاتی۔''

یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے سائنسدانوں کی ایک بڑی تعداد بے خبر ہے۔ اگر وہ بندگانِ خدا، جنہیں کتاب اللہ کی امانت دی گئی، ان آیتوں میں موجود حقائق سے اِن زیرک انسانوں کو باخبر کر دیں تو کیا عجب کہ یہ لوگ بھی آخرت کے انجام سے واقف ہو جائیں اور اپنی مغفرت کی فکر کرنا شروع کر دیں۔ ورنہ ہو گا یہ کہ یہ حضرات صرف کائناتی حقائق کے ثبوت ہی پہنچاتے پہنچاتے خدا کے حضور بے نیل و مرام پہنچ جائیں گے اور اہلیانِ کتاب کو کوستے رہ جائیں گے کہ انہوں نے کبھی قرآنی حقائق سے ہمیں آشنا نہیں کیا۔

کیا عجب کہ اُخروی ناکامیابیوں کے غار میں انہیں بھی دھکیل دینے کی یہ سائنسدان ایک بڑی وجہ بن جائیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ جن کے پاس اللہ کی کتاب ہے وہ کتاب اللہ سے اپنے رشتے کو مضبوط کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ وہ محدود فروعی معاملات، رسم ورواج اور طریقہ ہائے عبادت کی جزئیات میں گم ہو کر رہ گیے ہیں۔ ورنہ سائنسی علوم میں مہارت کے ساتھ ان تمام علوم کے مثبت استعمال کے ذریعہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا اب بھی ممکن ہے۔ یہ دنیا اپنی حسین و جمیل تابناکی کے ساتھ تمام باشندوں کے لئے امن وشانتی کا گھوارہ بن سکتی ہے۔ انسانیت کی انسانیت اپنی زندگی کی آخری منزل یعنی آخرت میں اپنے رب کی رضا اور مغفرت حاصل کرنے

کی طرف مائل ہو سکتی ہے، ابد الآباد جنت کی مستقل و پائیدار آسائشوں کی حقدار بن سکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اتنی کاملیت کے ساتھ ایک ہی bang میں کس نے اس کائنات کو وجود بخشا؟ کون ہے جس نے ان ساری چیزوں کی تخلیق فرمائی؟ پھر ان کے وجود کا مقصد کیا ہے؟ کیا یہ سب محض یوں ہی بے مقصد پیدا کیے گیے ہیں۔؟ یہ اور ایسے سوالات کی تحقیق کے لئے اگر انسانیت کے سامنے آسمانی کتاب ہوتی تو ایک طویل عمر کی ضرورت نہ پڑتی۔ لیکن واضح رہے کہ یہ تحقیق اُس تحقیق سے اہم نہیں کہ جس میں یہ معلوم کیا جائے کہ ہمارا مقصدِ پیدائش کیا ہے؟ اور ہماری وجہِ تخلیق کیا ہے؟ یہ کوشش ہمیں اس حقیقت کی طرف لے جاتی ہے کہ ہم یہاں تھے نہیں بلکہ بھیجے گئے ہیں اور ہمیں اپنے مقررہ وقت پر یہاں سے لوٹ بھی جانا ہے۔ پھر سوال یہ اُٹھتا ہے کہ کہاں لوٹ کر جانا ہے اور دنیا میں ہمارے قیام کے بعد ہماری حتمی منزل کیا ہے؟ رب ذوالجلال ہم سے تیئیسویں سورۃ کی ایک سو پندرھویں آیت میں ہم سے پوچھتا ہے:

"انسانو! کیا تم یہ سوچتے ہو کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا نہیں ہے؟" ہر ایک انسان کو اپنے اپنے وقت پر لوٹنا ہے، موت پر کبھی فتح نہیں پائی جاسکتی، زندگی اور موت کے خالق ہی نے چھپن ویں سورہ کی ساٹھویں آیت میں اعلان کر دیا ہے کہ: "ہم نے تمہاری تقدیر میں موت کو لکھ دیا ہے اور تم (ہمیں اس سے روک نہیں سکو گے) سبقت نہیں لے جا سکو گے۔" پھر اس موت کے بعد ہمیں جانا کہاں ہے اور وہاں کیا ہونے والا ہے؟

اس کے جواب میں ہماری موت اور حیات کا مالک ہم سے پندرھویں سورت کی پچاسیویں اور چھیاسیویں آیات میں ہمیں اپنے جواب سے سرفراز فرماتا

ہے: ”اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، نہیں تخلیق کیا مگر ایک بامقصد حق کے ساتھ اور بے شک قیامت کی ساعت کا لمحہ ضرور آکر رہے گا۔ سو جو لوگ ان حقائق کو نہیں مان رہے ہیں ان سے پروقار طریقے سے درگذر کریں۔ بے شک آپ کا رب ہی خلاّق ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔“

یہ حقیقت ہمیں فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ایک ہی 'کُن' اور Bang کو ایک بار پھر وقوع پذیر ہونا ہے، جب ساری کائنات ایک ہی لمحہ میں ختم کردی جائے گی۔ جسے قرآنِ حکیم ” صور میں پھونک “ کہتا ہے، پھر ایک اور 'کُن' کے ساتھ تمام ذی اختیار مخلوق اپنے دفترِ اعمال کے ساتھ کھڑی ہوگی جسے دنیاوی زندگی کے امتحان میں شریک کیا گیا تھا۔ پھر حساب لیا جائے گا کہ اِس مخلوق نے اپنے فرائض نبھائے یا نہیں؟ اپنی ذمہ داریاں ادا کیں یا نہیں؟

انہیں اپنی ہستی کی پہچان ہوگئی تھی یا نہیں؟ یا وہ پنی طاقت کے نشے میں چور ہی رہے! کہیں ایسا تو نہیں کہ انسان نے اپنی طاقت کو اپنی جیسی مخلوق کی فلاح و بہبود پر استعمال کرنے کے بجائے مظالم ڈھانے کے لیے استعمال کیا تھا؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ جس مقام پر اُسے رب نے آباد کیا تھا وہاں وہ اپنے گردو پیش کے لیے بے ثمر ثابت ہوئی اور باعثِ فساد بن گئی؟ اپنے فرائض کی انجام دہی کو اپنی من مانیوں کے حوالے کیا؟

حقیقتاً دوسروں کی فکر سے زیادہ ہمارے لئے اہمیت اس سوال کی ہونی چاہئے کہ ہمارے کیا فرائض ہیں، جنہیں ہمیں سر انجام دینا ہے؟ پہلے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کس نے ان فرائض کو ہم پر عائد کیا ہے؟ اِن فرائض کی مکمل بجا آوری پر کس صلہ کی ہمیں اُمید ہونی چاہیے؟ ورنہ کس سزا کا ہمیں اندیشہ لاحق ہونا چاہیے؟ پھر یہ کہ ان

سوالات کے جوابات کے ہم خود مکلف ہیں یا ہمیں اپنے خالق، مالک اور ربِّ اعلیٰ سے رجوع ہونا ہوگا۔!

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم ان بنیادی سوالات کے جوابات دینے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے" کے مصداق ہم دعوت دیتے ہیں کہ ہم سب مل کر اپنے خالق ہی سے پوچھیں کہ پروردگار! ہمیں اِن اُمور میں اپنی رہنمائی سے نوازیو....! رب تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ اُس نے کتابِ ہدایت میں ہمارے اِن سارے سوالوں کے جواب پہلے ہی صاف اور واضح طور پر عطا کر دیے ہیں۔

وہی کتابِ ہدایت جس کے سوا کوئی کتاب ہدایت نہیں.... جو عرشِ اعظم سے عربی مبین میں نازل شدہ ہے اور آج بھی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں یہ موجود نہیں۔ ہر شخص کو کم از کم اتنی کوشش تو ضرور کرنی چاہیے کہ وہ اپنے مالک کے احکام کا علم حاصل کرے۔ دنیا میں کسی کو دو وقت کی روٹی بھی بغیر محنت کے میسر نہیں آتی۔ لیکن مالک کے احکام معلوم کرنے کے لیے اتنی محنت کی ضرورت بھی نہیں۔

بس اتنا کرنا ہے کہ کتابِ ہدایت سے رشتہ ایک بار استوار ہو جائے، ہر روز اس سے یہ معلوم کیا جائے کہ ہمارے کن کاموں سے رب ناراض ہوتا ہے اور کن کاموں سے اُس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

اُس کی نظر میں ایک کامیاب زندگی کیا ہے۔ یہی ایک محفوظ راستہ دکھائی دیتا ہے ہماری دنیا کی زندگی کو سدھارنے کا اور یہی ایک راستہ باقی رہتا ہے ہماری دوسری اور آخری زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کا۔

تری عظمت کے مقابل مرا سجدہ کیا ہے
کوہ احسان ترے، شکر مرا رائی ہے



آپ بیتی...... شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

یہ آپ بیتی مولانا سعید الحق جدون کی کتاب
"مولانا شیر علی شاہ مدنی کی درس گاہ میں" سے ماخوذ ہے۔

میری ابتدائی تعلیم روایتی انداز میں میرے گھر میں ہوئی۔ میرے والد ماجد مولانا قدرت شاہ صاحب سے میں نے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر انہوں نے مجھے شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ کے قائم کردہ مدرسہ انجمن تعلیم القرآن میں داخل کروایا۔ جہاں مولانا قاضی حبیب الرحمن صاحب' فاضل دیوبند سے نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں' مولانا سید بادشاہ گل صاحب بانی جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک سے بدیع المیزان اور ترکیب کافیہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ صاحب رحمہ اللہ سے تحریر سنبٹ پڑھی۔

۱۹۴۶-۴۷ء میں جب ہندوستان کی سیاست نے پلٹا کھایا اور انگریز بھاگنے پر مجبور ہوئے تو ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے رہ گیا اور مسلمانوں نے ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ ان کا مطالبہ منظور ہوا۔ اس مطالبے اور تجویز کے مطابق ہندوستان تقسیم ہوا۔ پاکستان عالم وجود میں آیا۔

تقسیم سے آبادی کی تبدیلی کا واقعہ پیش آیا۔ جس کے نتیجے میں مسلم آبادی نے ہندوستان چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کی اور ہندو بھارت کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی اثناء میں ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے۔ کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے' جس کے نتیجے میں دو فرقوں میں ناخوشگوار حالات پیدا ہوئے۔

تقسیم ہند کے وقت ہم شیخ الحدیث مولانا عبد الحق رحمہ اللہ سے کافیہ پڑھ

رہے تھے۔ اکوڑہ خٹک کے ہندو اور سکھ باشندوں کو ہندوستان پہنچانے کے لیے سرکاری طور پر بندوبست کیا گیا۔ یہاں ان کے گھروں پر لوگوں نے ہلہ بول دیا۔ اور ان کے گھروں اور دکانوں سے سامان لوٹ کر اپنے گھروں کو لے جا رہے تھے۔

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق نوراللہ مرقدہ نے جب یہ حالت دیکھی، تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر رونے لگے اور فرمایا کہ یہ لوگ انتہائی ظلم کر رہے ہیں"۔ حضرت تو ایک دور اندیش انسان تھے۔ ان کی نگاہیں مسلمانان ہند کی طرف متوجہ تھیں کہ یہاں پاکستان میں لوگ ان ہندو اور سکھوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں، تو وہاں ہندوستان میں وہ لوگ اس کے بدلے میں مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہاں ہندوستان میں مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے۔ مسلمانوں کی عورتوں پر سکھوں نے قبضہ کیا۔ جن میں سے بہت سی عورتیں آج بھی اس ملک کی آزادی کی خاطر سکھوں اور ہندوؤں کی ملکیت میں ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد یہاں کے مسلمان دیوبند کے مدارس سے کٹ گئے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحقؒ چونکہ دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے اس لئے ان کو بھی دوبارہ وہاں جانے میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ چنانچہ یہاں شدت سے محسوس کیا جانے لگا کہ پاکستان میں ایسے مدارس ہوں جس سے یہ کمی پوری ہو سکے جو تقسیم ہند سے واقع ہوئی ہے۔ اسی احساس نے ۱۹۴۸ء میں انجمن تعلیم القرآن کو دارالعلوم حقانیہ کے سانچے میں ڈال دیا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحقؒ نے دیوبند کی تدریس کی بجائے یہاں درس حدیث شروع کیا۔ ظاہر بات تھی کہ طلبا پاکستان اور افغانستان سے ہندوستان نہیں جا سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اکوڑہ خٹک کا رخ کیا اور بہت جلد یہاں کافی تعداد

ہو گئی۔ آج الحمدللہ اکوڑہ خٹک میں دورہ حدیث کے طلبہ کی تعداد چودہ پندرہ سو ہوا کرتی ہے۔ دنیا کے کسی مدرسہ میں دورہ حدیث کے طلباء کی اتنی کثیر تعداد نہیں ہے' موجودہ وقت میں یہ خصوصیت صرف دارالعلوم حقانیہ کو حاصل ہے کہ یہ حضرت شیخ صاحب کے اخلاص کی برکت اور دعاؤں کا ثمر ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے جب یہاں دورہ حدیث شروع کیا تو فنون کی تکمیل کے بعد میں نے یہاں دورہ حدیث میں داخلہ لیا۔ دورہ حدیث میں بخاری شریف' ترمذی اور سنن ابی داؤد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے اور باقی کتابیں حضرت مولانا عبدالغفور سواتی رحمہ اللہ سے پڑھیں' شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ اپنی تدریسی' تبلیغی' سیاسی اور جہادی خدمات کی وجہ سے معروف ہیں۔ لیکن شیخ الحدیث مولانا عبدالغفور صاحب بھی علمی دنیا میں علم و عمل کے مینار نور تھے' ایسی علمی شخصیات اور پاک دل و پاکباز لوگوں کے لئے فلک برسوں ترستا ہے۔ تب اس طرح کے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایسے لوگ علامہ اقبال کے اس شعر کے اصل مصداق ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دورہ حدیث کے کچھ اسباق جامعہ اشرفیہ میں:

اس وقت جامعہ اشرفیہ لاہور میں علم و عمل کے بڑے بڑے جبال علم و معرفت تھے۔ چنانچہ میں وہاں گیا اور بخاری شریف کی کتاب الایمان' کتاب العلم اور سنن ترمذی کی کتاب الطہارۃ شیخ الحدیث مولانا ادریس کاندھلویؒ سے پڑھی۔ شیخ الحدیث مولانا ادریس کاندھلویؒ کے سامنے میں نے بخاری شریف کی عبارت پڑھی تو حضرت کاندھلویؒ نے حکم صادر فرمایا کہ آج کے بعد مستقل عبارت مولوی شیر علی

شاہ پڑھیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد میں خود عبارت پڑھتا تھا۔

اور ابو داؤد کا کچھ حصہ زبدۃ العارفین حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی دارالعلوم اشرفیہ سے پڑھا۔ مفتی صاحب ایک ممتاز عالم دین اور کہنہ مشق مدرس تھے اور روزانہ اپنے درس میں طلباء کی توجہ تقویٰ اور اعمال صالحہ کی طرف مبذول فرمایا کرتے تھے۔ آپ حضرت کاندھلویؒ کے درس بخاری شریف اور درس ترمذی شریف میں تین تین گھنٹے دیوار کو ٹیک لگائے ہوئے جلوہ افروز ہوتے تھے۔

دورۂ تفسیر:

۱۳۷۸ھ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے مجھے اور مولانا سمیع الحق صاحب کو شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی خدمت میں تفسیر کے لئے جانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حسب حکم ہم حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے ہاں گئے حضرت لاہوریؒ ایک عظیم مفسر اور ولی کامل تھے۔ علوم القرآن کے امام تھے۔ انہوں نے جو درس دیا' میں وہ درس قلم بند کرتا رہا۔ کیونکہ جاتے وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے تاکید فرمائی تھی کہ حضرت لاہوریؒ کے جملہ ارشادات وفرمودات حرف بحرف لکھ دیا کریں۔ الحمدللہ بندہ نے تقریباً ۹۰ فیصد درس قرآن کو ضبط کر لیا تھا۔ درس سے فارغ ہوتے ہی بندہ مسجد کے صحن میں پٹھان طلباء کو حضرتؒ کا تمام درس پشتو زبان میں پڑھاتا تھا۔ کبھی کبھار حضرتؒ اپنی درسگاہ سے اپنے کمرے تشریف لے جاتے تو ہمارے قریب کھڑے ہو جاتے تھے' ہم جب حضرتؒ کو دیکھتے تو ادب واحترام کی وجہ سے کھڑے ہو جاتے' حضرت فرماتے کہ بیٹھ جاؤ میں تمہارا درس پشتو میں سنتا ہوں۔ حضرت لاہوریؒ پٹھان طلبا پر حد درجہ مہربان تھے' فرماتے تھے: کہ یہ مجاہد ہیں زبدۃ القرآن کے نام سے حضرتؒ کے وہی درسی افادات اور امالی سے ایک حصہ بندہ نے

کتابی شکل میں طبع کیا ہے۔

حافظ الحدیث مولانا عبد اللہ درخواستیؒ کے ہاں دورہ تفسیر:

اس کے بعد بندہ امام الاولیاء شیخ المفسرین والمحدثین حضرت مولانا عبد اللہ درخواستیؒ کی خدمت اقدس میں دورہ تفسیر پڑھنے کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت درخواستیؒ چونکہ حافظ الحدیث تھے وہ تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث پر زیادہ توجہ فرمایا کرتے تھے اور آیات سے متعدد مسائل کا استنباط فرمایا کرتے تھے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلے کا پروگرام:

میں معمولاً شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ کے نام آئے ہوئے مکاتیب کے جوابات تحریر کرتا تھا۔ میرے اس سفر مدینہ طیبہ کا ذریعہ لاہور کے حکیم آفتاب احمد قرشی مرحوم بنے تھے' جو شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کے فرزند تھے۔ اور مولانا سمیع الحق سے ان کا بڑا تعلق تھا۔ انہوں نے مولانا سمیع الحق کو پیشکش کی کہ آپ مجھے اپنے ادارے سے دو مستعد افراد کے نام دے دیں جنہیں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ بھیجا جائے۔ میں ایک عرصہ سے مدینہ جانے اور وہاں کسی طرح اقامت کا درد دل میں لئے تھا۔ اس سے قبل میں خشکی اور بحری راہوں کی خاک چھانتے ہوئے اردن کے شہر عقبہ' ایلہ وغیرہ سے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کی زیارت کر چکا تھا۔ مگر وہاں داخلہ اور قیام کی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔

مولانا سمیع الحق کو یہ آفر ہوئی تو ایک دن مولانا سمیع الحق نے مجھے بتایا کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ والوں نے معلمین کے دوماہی شارٹ کورس کے لئے دو مدرسین کے نام حقانیہ سے طلب کئے ہیں۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ میرا نام بھی اس میں بھیجا جائے۔ کچھ دنوں بعد رمضان ۱۹۷۲ء کی بات ہے کہ میں



دفتر اہتمام آیا تو حضرت شیخ الحدیثؒ، ناظم صاحب مولانا سلطان محمودؒ کے ساتھ ڈاک ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف فرما تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت نے جامعہ اسلامیہ سے آئے ہوئے خط کو ایک سائیڈ پر رکھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ حضرتؒ چاہتے ہیں کہ میری نظروں میں نہ آئے۔

حضرت ایک تو طویل تدریسی زندگی کے بعد اس عمر میں میری طالب علمی کو دیگر اہم خدمات کے مقابلے میں مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اور دوسرا وہ نہیں چاہتے تھے کہ دارالعلوم حقانیہ کے کسی بھی کام میں خلل پڑ جائے۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ نے چاہا تو مدینہ منورہ حج اور زیارات کے مواقع ملتے رہیں گے۔ شاید مولانا سمیع الحق نے میری بات حضرت شیخ الحدیثؒ کو پہنچائی تھی میں حاضر ہوا تو مختلف مکاتیب کے جوابات تحریر کئے۔ درآخر میں نے خود حضرت سے عرض کیا کہ جی وہ جامعہ اسلامیہ والوں کو بھی کوئی جواب دینا ہوگا اس پر انہوں نے ناظم صاحب کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ ہاں وہ خط نکالو وہ خط جب میں نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ خط ہمیں بیس دنوں میں لاہور سے جامعہ اسلامیہ کے مستشار ثقافی کے دفتر سے پہنچا۔

ان دنوں پنجاب میں سیلاب آئے تھے شاید اسی وجہ سے وہ خط لیٹ پہنچا۔ میں نے خط پڑھ کر عرض کیا کہ جی اس کے لئے تو میں اور مولانا انوار الحق صاحب موزوں رہیں گے۔ اس پر مولانا صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا کہ ہاں تم تو ہر جگہ کے لئے تیار بیٹھے ہو۔ اور فرمایا ادھر مولانا مفتی فرید صاحب بھی حج کے لئے گئے ہیں اور تم بھی جاؤ تو طلباء کو چھٹی دے دو۔ میں نے ڈرتے ہوئے عرض کیا کہ جی دو مہینے ہی کی تو بات ہے اس بہانے ہم دونوں حج اور عمرہ ادا کرلیں گے۔ مولانا صاحب کچھ توقف کے بعد مان گئے۔ اور کہا کہ خط کا جواب لکھو۔ میں نے حضرت سے کہا کہ جی یہ خط کافی

لیٹ ہو چکا ہے۔ جواب کے بجائے فون پر بات کرنی چاہیے۔ مولانا صاحب نے اس بات کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے فون ملا کر بات کرو۔

اُس زمانے میں ڈائریکٹ ڈائلنگ کی سہولت نہ تھی۔ ایکسچینج کے توسط سے نمبر ملائے جاتے تھے۔ میں نے اکوڑہ ایکسچینج ملاتے ہوئے لائن مین امیر علی قریشی مرحوم سے کہا کہ لاہور کا یہ نمبر ملایئے تو اس نے ادھر سے جواب دیتے ہوئے کہا باچاجی آپ کو پتہ نہیں کہ سیلاب آئے ہیں لائنیں خراب ہیں۔ میں نے اسے کہا کہ قریشی صاحب مدینہ منورہ کا کام ہے اگر ہو گیا تو تمہارے لئے وہاں جا کر دعا کریں گے۔ اس پر لائن مین نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے تو کراچی کے لائن سے آپ کو ملا دیتا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ باتیں میری طرف سے کریں۔ اس طرح ٹیلی فون مل گیا میں نے بجائے اردو کے عربی میں مدیر مکتب کے بارے میں کہا کہ اَبْغِی الشَّیْخَ خَالِدَ الحمَدَان، تو وہاں متعلقہ شخص نے مدیر مکتب کو فون تھمایا۔ جب اسے پتہ چلا کہ جامعہ حقانیہ کا مدیر بول رہا ہے تو اس نے بڑی توجہ اور محبت کے ساتھ سلام اور دعا کی۔ اور فرمانے لگے کَیْفَ حَالُكَ یَا مَعَالِی الشَّیْخِ میں نے کہا کہ اَلْحَمْدُلِلّٰہ نَحْنُ بِخَیْرٍ وَسَلَامَةٍ نَسْأَلُ اللهَ صِحَّتَكُمْ وَسَلَامَتَكُمْ پھر اس نے خود ہی کہا کہ ابھی تک آپ کی طرف سے دو نام نہیں آئے۔ میں نے ان کو دو نام دیئے ایک اپنا نام اور دوسرا مولانا انوار الحق صاحب کا نام۔ انہوں نے کہا کہ اُن کے جملہ سندات اور ضروری کاغذات حکومت کے مستند ادارے سے اٹسٹیڈ ہونے چاہئیں۔

چنانچہ ٹیلی فون پر بات کرنے کے بعد میں نے اپنے اور مولانا انوار الحق کے اسناد اٹھائے اور نوشہرہ میں اودتھ کمشنر سے اٹیسٹ کروائے۔ واپس آکر مولانا انوار الحق سے کل لاہور جانے کا پروگرام طے کرنا چاہا تو اس نے بتایا کہ میں کل

ہی تولاہور سے آیا ہوں لہذا بہتر یہ ہے کہ آپ میرے اسناد بھی ساتھ لے جاکر جمع کروادیں، انہوں نے مجھے اپنا بریف کیس بھی دیا کہ اس میں اسناد رکھئے اس طرح محفوظ رہیں گے۔

اُس زمانے میں ہماری غربت کا یہ عالم تھا کہ میرے پاس بریف کیس تک نہ تھا۔ اگلے دن میں لاہور پہنچا وہاں اسی دن مدیر مکتب شیخ خالد الحمدان نے ہمارا انٹرویو اور امتحان لیا۔ میرا انٹرویو لینے کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ کا سلیکشن تو ہو گیا آپ کا دوسرا ساتھی کدھر ہے اور کیوں نہیں آیا میں نے ان سے کہا کہ وہ مدرسہ کے کام میں مصروف تھے اس لئے نہ آسکے۔ اس پر انہوں نے پوچھا کہ اس کی عربی کیسی ہے تو میں نے جواب میں کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ اچھا بولتا ہے۔ اب انہوں نے مطمئن ہو کر مولانا انوار الحق کی سلیکشن بھی کروادی۔ اور مجھے بتایا کہ آپ لوگ دو تین دن تک لاہور ہی میں رہیں اس دوران آپ لوگوں کے جانے کے انتظامات ویزہ اور ٹکٹوں وغیرہ کا بندوبست ہو جائے گا آپ کو یہی سے کراچی بھیجا جائے گا۔

اس پر میں نے مدیر مکتب سے کہا کہ میں نے تفسیر شروع کررکھی ہے جتنے دنوں تک ہمارے جانے کا پروگرام تشکیل پاتا ہے اتنے دن تک میں تفسیر پڑھالوں گا۔ اس دوران ہمارے مدرسے کا نمائندہ روزانہ آپ کے دفتر سے رابطہ میں رہے گا۔ سو انہوں نے اجازت دے دی۔ بعد میں میں نے اپنے کسی شاگرد کی ڈیوٹی لگائی، جو ان دنوں وہیں تھا کہلوایا کہ اس دفتر سے رابطہ میں رہیں۔ میں نے واپس آکر دو تین نئے جوڑے سلوائے۔ مولانا انوار الحق کو بھی میں نے تیاری کرنے کا کہا۔

کچھ دنوں کے بعد ہمارا شیڈول اس طرح مرتب ہوا کہ براستہ کراچی سعودی ائیر لائن سے ہمیں جانا ہے۔ مولانا انوار الحق کو شیڈول سے آگاہی دی، تو انہوں نے

بعض ذاتی گھریلو اور مدرسے کی ذمہ داریوں کی بنیاد پرنہ جانے کافیصلہ کیا۔
میں پروگرام کے مطابق لاہوردفتر پہنچاتوانہوں نے مجھ سے دوسرے ساتھی کے بارے میں پوچھا میں نے ان سے بہانہ کیاکہ وہ بیمار ہے اس پر انہوں نے کہا کہ وہ توہماراطالب علم ہے ان کو لاؤتاکہ اس کا علاج کروائیں۔ آخر میں نے انہیں کھل کر واضح طورپربتایاکہ وہ نہیں جاسکتے۔ اب انہوں نے متبادل مانگامیں نے دارالعلوم حقانیہ کے فاضل مولاناعبدالقہار کا نام پیش کیاجوانہوں نے قبول کیا تاہم اس کے پاس پاسپورٹ نہ تھااوروہ مقررہ مدت کے اندرپاسپورٹ نہ پیش کرسکا۔

ہمارے ایک دوسرے ساتھی سید اصغر علی شاہ صاحب نے بھی مجھ سے کافی اصرار کیاکہ میرانام متبادل طورپر دیاجائے لیکن میں نے انہیں سمجھایاکہ متبادل کے لئے حقانیہ کا فارغ التحصیل اور حاملِ سند ہونا شرط ہے۔ بہرصورت اسطرح دوسری سیٹ ضائع ہوگئی۔

مدینہ منورہ کی روانگی:

مجھے رمضان کے آخری عشرے میں کراچی بھیجاگیا جہاں دو تین دن میں اپنے ایک مخلص دوست حضرت مولاناعبداللہ کاکاخیل مرحوم کے ساتھ مقیم رہا۔ عید کے ایام قریب تھے ' مجھے اس نے عید پاکستان میں گزارنے کامشورہ دیالیکن میں نے اسے کہاکہ جیسے بھی ہو میں پاکستان سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچنا چاہتاہوں۔ میرا شوق اور جذبہ بڑے عروج پر تھااس لئے کہ اس سے قبل میں بری راستے سے حرمین شریف بڑے مصائب اور تکالیف کاٹ کر پہنچاتھا۔ کراچی میں سعودی ایئرلائن والوں نے مجھے براستہ ریاض ٹکٹ دیا۔

ریاض سے آگے جدہ مجھے دودن بعد جانا تھا۔ کراچی سے جب میں جہاز میں

سوار ہوا تو میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک عرب بیٹھا تھا۔ جس نے میرے ساتھ گفتگو کی اور میرے سفر کی نوعیت کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اسے اپنے جانے کا مقصد بیان کیا تو وہ بہت خوش ہوا۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ کراچی میں اس نے ایک مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھی۔ وہ بڑا زبردست مقرر تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ مولانا احتشام الحق تھانویؒ تھے۔ اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ وہ وزارت پٹرولیم میں آفیسر ہے۔ میں نے اس سے درخواست کی کہ میرا ٹکٹ ریاض کا ہے۔ ریاض سے قبل جہاز دمام میں اترے گا۔ آپ اگر میرا ٹکٹ ریاض کے بجائے جدہ کر دیں تو نہایت مشکور رہوں گا۔ اس نے کہا کہ ''اَبشِر'' یہ کون سی مشکل بات ہے۔

دمام ائیرپورٹ پر اتر کر اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا کہا اس کے استقبال کے لئے کافی افسران اور خدام آئے تھے۔ وہ مجھے سعودی ائیرلائن کے دفتر لے گئے۔ جہاں معلوم ہوا کہ دمام سے جدہ کیلئے دو گھنٹے کے بعد فلائٹ ہے۔ اس نے اپنے اثر رسوخ سے میری فلائٹ بجائے ریاض کے جدہ کر دی۔ میں نے دمام کے ایئرپورٹ کی مسجد میں غسل کر کے احرام پہنا' اور دو رکعت نماز پڑھ کر عمرہ کی نیت کی۔ اور ذکر واذکار میں مصروف رہا' اذان فجر کے وقت جدہ پہنچا اس وقت جدہ کا پرانا ایئرپورٹ جدہ کے قریب تھا۔ ایئرپورٹ کے متعلقہ امور سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو لوگ فجر کی نماز ادا کر چکے تھے۔ میں نے بھی ایک جگہ جائے نماز بچھا کر نماز پڑھی۔ پھر مکہ معظمہ پہنچ کر مناسک عمرہ ادا کئے اور عازم مدینہ ہوا۔ زیارت سے فراغت پر جامعہ پہنچا۔

جامعہ اسلامیہ کے کلیۃ الشریعۃ میں داخلہ:

مَیں پاکستان سے جانے والے ساتھیوں میں سے جامعہ اسلامیہ پہنچنے والا پہلا فرد تھا۔ وہاں پہنچ کر مدیر القبول والتَّسْجِیْلِ نے مجھے کہا کہ تمہاری عمر مقرر کردہ حد

سے متجاوز ہے۔ اور میرے کاغذات پر اس نے لکھا سِنُّہٗ قَدْ تَجَاوَزَ مِنَ السِّنِّ المُحَدَّدِ للالتحاق اس پر میں نے رئیس الجامعہ معالی الشیخ عبد العزیز بن باز سے رابطہ کیا تو اس نے میری درخواست پر لکھا یُسَامَحُ بِأَمْثَالِ هٰؤلاءِ اس کے بعد جب میں مدیر داخلہ کے پاس گیا تو اس نے مجھے لغت عربی میں داخل کرانا چاہا۔ میں نے اس کے ساتھ اس بات پر تکرار کیا کہ ہم تو الحمدللہ عربی پر اتنا عبور رکھتے ہیں کہ اپنے بلاد میں طلباء کو پڑھاتے ہیں۔

اس دوران ہماری یہ باتیں وہاں قریب بیٹھے جامعہ اسلامیہ کے استاد شیخ مجذوب جو شام کا رہنا والا عالم اور شاعر تھا سن رہا تھا۔ اس نے ہمارے بیچ آکر مدیر کو سمجھایا کہ یہ طالب علم صحیح کہہ رہا ہے' اس کی باتوں سے تمہیں عربی میں اس کی مہارت معلوم نہیں ہو رہی؟ اس طرح مجھے کلیۃ الشریعہ میں داخلہ مل گیا۔ اور بعد میں میری وجہ سے دیگر پاکستان سے آنے والے آٹھ افراد کو بھی کلیۃ الشریعہ میں داخلہ دلوایا گیا۔ ہمارے ساتھیوں میں صرف ایک طالب علم مولوی بشیر احمد صاحب جو آج کل اسلام آباد سے ''نداء الاسلام'' نامی رسالہ نکالتا ہے نے کلیہ الدعوۃ واصول الدین میں داخلہ لیا۔

اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ میں کلیۃ شرعیۃ اور کلیہ الدعوہ واصول الدین دو کلیات ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر کلیات نہ تھے۔ کلیۃ الشریعہ میں چار برس تک پڑھنے کے بعد اس کی تکمیل ہوئی۔ تو پھر جامعہ والوں نے ہمیں واپس بھیجنا چاہا۔

ماجستیر میں داخلہ:

اس دوران جامعہ میں ماجستیر شروع ہوا۔ اس کے داخلے کے لے نوٹس بورڈ پر شیڈول جاری ہوا۔ اس زمانے میں مولانا مصطفی حسن صاحبؒ جو دارالعلوم حقانیہ کے



اساتذہ میں سے تھے وہ بھی وہیں پڑھتے تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ کیوں نہ ہم بھی ماجستیر میں داخلے کیلئے اپنے نام بھیجیں۔ لیکن اس نے میری بات کو رَد کرتے ہوئے کہا کہ ماجستیر میں صرف سعودیوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ درخواست دینے میں کیا حرج ہے۔ لیکن باوجود اس کے وہ نہ مانا۔ میں نے اپنی طرف سے درخواست لکھ کر جمع کی۔ ایک ہفتے بعد اعلان ہوا کہ ماجستیر میں داخلے کے لئے شفوی امتحان فلاں تاریخ کو ہوگا۔ مقررہ دن پر میرا امتحان بھی لیا گیا۔

میرے ممتحن نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے تفسیر میں کیا پڑھا ہے؟ اس کا مطلب جامعہ کے کلیۃ الشریعہ میں پڑھنے کے اعتبار سے تھا میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ میں نے اسے جواباً کہا تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی ہے۔ وہ اس جواب پر بڑا خوش ہوا۔ اس نے مجھ سے سوال کیا کہ وَيَدْرَؤُ عَنْهَا الْعَذَابَ کا کیا معنی ہے۔ میں نے جواب میں یدفع عنھا العذاب کہا۔ اور مزید وضاحت کے لئے حدیث بیان کی کہ اِدْرَءُوا الحُدُودَ مَا اسْتَطَعْتُم پھر اس نے دوسرا سوال کیا کہ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً امر کا صیغہ ہے اور امر کا معنی ہے قَوْلُ الْقَائِلِ لِلْمُخَاطَبِ عَلَی سَبِیْلِ الْاِسْتِعْلَاءِ اِفْعَلْ، یہاں تو انسان اللہ سے کم تر، عاجز و مخلوق ہے۔ تو پھر امر کا معنی کس طرح صحیح ہوگا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ امر کے سولہ معانی ہیں۔ بہر صورت اس طرح میرا امتحان مکمل ہوا۔ بعد میں مولانا مصطفیٰ حسن نے مجھ سے امتحان کے بارے میں پوچھا میں نے اسے ساری صورتحال سے آگاہی دی۔ کچھ دنوں بعد ماجستیر کے داخلے میں کامیاب طلباء کی فہرست آویزاں ہوئی پاکستان سے گئے ہوئے ہمارے ۹؍افراد کی جماعت میں سے صرف میرا داخلہ ہوا۔ ماجستیر میں ہمارا وظیفہ بھی بڑھ گیا۔ ہم ماجستیر میں پڑھ رہے تھے کہ اس دوران جامعہ میں دکتورا بھی شروع ہوگیا۔ جب ہم

نے ماجستیر کی تکمیل کی تو میں نے دیکھا کہ جامعہ اسلامیہ کے غیر ملکی طلباء کے کاؤنٹر پر میرا پاسپورٹ رکھا ہوا ہے۔

میں نے جب واپسی کا تصور کیا تو غم اور خفگی کی کوئی حد نہ رہی۔ شیخ عبد اللہ العقلا اس زمانے میں وکیل شؤن الحرمین تھے اس کے ساتھ میری شناسائی اور ربط و تعلق اس وجہ سے کافی پُرانی تھی کہ میں دوران حج و عمرہ حرم شریف میں پاکستان وہندوستان سے آئے ہوئے حجاج کو مناسک حج بیان کرتا تھا۔ میں اور دیگر ماجستیر مکمل کرنے والے غیر ملکی طلباء جن کے بارے میں خروج کا فیصلہ ہوا تھا' اس کے پاس گئے اور انہیں اپنی خواہش سے آگاہ کیا کہ ہم یہاں سے دکتورا کرنے کے خواہش مند ہیں۔

ہمارے بلاد میں اس ترتیب سے اسباق اور دکتورا نہیں ہوتے۔ انہوں نے جامعہ اسلامیہ کے رئیس سے ہماری سفارش کی جو انہوں نے قبول کی۔ اور ہمیں دکتورا کے داخلہ امتحان میں بٹھایا گیا۔ جن آٹھ غیر ملکی طلباء کی سفارش وکیل شؤن حرمین نے کی تھی ان میں چار کامیاب ہوئے جن میں ایک میں بھی تھا۔ اس طرح چار سال دکتورا میں لگے۔

دکتورا کے رسالہ تفسیر حسن بصری کا مناقشہ:

جب میں نے دکتورا کا رسالہ تفسیر حسن بصریؒ مکمل کیا تو جامعہ نے میرے مناقشے کیلئے دکتور ربیع ہادی مدخلی کو مقرر کیا۔ موصوف کو میں پاکستان کے دورے پر آنے کے موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ کی حیات میں دارالعلوم حقانیہ بھی لایا تھا۔ میں نے اپنا رسالہ اس کے پاس جمع کیا۔

جامعہ کا دستور یہ تھا کہ جب رسالے کی تکمیل ہو جاتی تو طالب علم پر وظیفہ بھی بند کر دیا جاتا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد رمضان کے مہینے میں حرم شریف میں

میرے فضیلۃ الشیخ دکتور عبد العزیز عثمان مشرف نے مجھے اطلاع دی کہ دکتور ربیع ہادی مدخلی نے آپ کے رسالے کے مناقشے سے انکار کیا۔ میں اس پر بڑا خفا ہوا کہ اتنا عرصہ میرا رسالہ عبث روکا گیا اگر انکار کرنا ہی تھا تو ابتداء سے کر دیتے۔ میں اسی وقت حاجی انعام اللہ آف شبقدر مقیم مدینہ کو ساتھ لے کر ان کی مسجد جو بیر عثمان کے قریب تھی گیا۔ عصر کی نماز میں نے اس کی امامت میں پڑھی۔ میں نماز کے بعد اس کے گھر گیا۔ ملاقات کے بعد میں نے اس سے اپنے رسالہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ فِيْ صَالِحِكَ أَنْ لاَّأُنَاقِشَ رِسَالَتَكَ (آپکی بہتری اسی میں ہے کہ آپکے مقالے کا مناقش میں نہ بنوں) مجھے بڑی حیرت ہوئی اور اسے کہا کہ آپ مجھے یہ لکھ کر دے۔ اس نے رئیس جامعہ کے نام لکھ کر دیا إِنِّيْ لَا أُنَاقِشُ رِسَالَةَ الشَّيْخِ شِيْرَعَلَى شَاه وَإِنِّيْ مُسْتَعِدٌّ لأَيِّ رِسَالَةٍ أُخْرٰى، (میں شیخ شیر علی شاہ کے مقالے کا مناقشہ نہیں کرتا اور اس کے علاوہ کسی بھی مقالے کے مناقشے کیلئے تیار ہوں) میں صبح رئیس کے پاس یہ تحریر لے کے گیا تو وہ مجھ پر الٹا غصہ ہو کر برسا اس نے کہا کہ تم بار بار اس کے گھر جاتے ہو اس لئے اس نے تمہارے رسالہ کے مناقشہ سے انکار کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ واللہ میں دو دفعہ کے علاوہ اس کے گھر گیا ہی نہیں ہوں۔ پہلی دفعہ رسالہ جمع کرنے کیلئے اور آخری دفعہ کل رسالہ واپس لینے کیلئے۔

رئیس نے مجھے کہا کہ اگلے جلسے میں ہم آپ کا رسالہ کسی دوسرے استاد کو دیں گے۔ پھر میرے رسالہ کا مناقش حماد سلامیٰ بجیری مقرر کئے گئے، جو مصر کے رہنے والے تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ پہلے میری آنکھوں کا آپریشن ہو گا اس کے بعد جب ٹھیک ہو جاؤں گا تو پھر تمہارے رسالے کو دیکھوں گا۔ اس کے بعد مناقشہ ہو گا۔

تقریباً ڈیڑھ سال اسی میں گزرا۔ اس کا مناقشہ بھی ہر اعتبار سے سخت



اور مشکل تھا۔ سارا مناقشہ کیسٹوں میں محفوظ ہے۔ ہر ہر بات کی وہ جڑ ڈھونڈتا اور اعتراضات کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں بھی کامیابی سے نوازا۔ اور میں پہلی پوزیشن کے ساتھ کامیاب ہوا۔ جبکہ دکتور عمر یوسف کمال جس نے تفسیر حسن بصری کا پہلا حصہ مکمل کیا ہے جو آج کل حرم مدینہ منورہ میں مؤذن ہے اس نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔

دکتورا کی تکمیل کے بعد تدریسی سلسلہ:

دکتورا کی تکمیل کے بعد شیخ احمد زہرانی جو شؤن الدعوہ کے مدیر تھے' نے ہماری تعیناتی وزارت عدل میں کروادی۔ وہاں ہمارا کام ترجمانی کرنا تھا۔ اس ملازمت میں ہمیں مشاہرہ بھی کافی ملتا۔ لیکن میں مطمئن نہ تھا۔ اس لئے کہ یہ ساری علمی تگ ودو ہم نے ترجمان بننے کیلئے تو نہ کی تھی۔ اسی وجہ سے ہمیں کئی دن تک نیند بھی نہیں آئی۔ آخر شیخ زہرانی کے پاس ہم دوبارہ گئے تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ یہاں پر خوش نہیں تو پھر آپ کو پاکستان کے کسی دینی مدرسے میں تدریس کیلئے بطور مبعوث بھیجا جائے گا۔ میں اس پر بڑا خوش ہوا۔

میں نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے دارالعلوم حقانیہ بھیجا جائے۔ لیکن انہوں نے بتایا کہ ہم اسی طرح آپ کو نہیں بھیج سکتے ۔ لَا نُرْسِلُ مَبْعُوْثَنَا اِلَّا بِالطَّلَبِ (ہم کسی کے طلب کیے بغیر اپنے مبعوث نہیں بھیجتے) ہمارے پاس پاکستان کی فائل ہے اس کو منگوا کر دیکھتے ہیں کہ کن کن مدارس نے ہم سے اساتذہ طلب کئے ہیں۔ فائل منگوائی گئی تو اس میں پاکستان کے دو مدارس دارالعلوم کراچی اور جامعہ ابی بکر کراچی کی طرف سے طلب آئی تھی۔ انہوں نے مجھے ان دو میں سے کوئی ایک منتخب کرنے کا اختیار دیا۔ میں نے دارالعلوم کراچی کو ترجیح دی۔ اس طرح مجھے پاکستان میں تعینات کرکے

بھیجا گیا۔ یہاں جب واپس آیا تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً) کو خبر ہوئی تو وہ بڑے خفا اور ناراض ہوئے ۔ بعد میں میں نے ان کو ساری صورتحال تفصیل سے بتائی کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اپنی طرف سے خود حقانیہ کیلئے درخواست لکھ کر جمع کرتا۔ انہوں نے پھر مطمئن ہو کر فرمایا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ سے مانگوں گا کہ تمہیں حقانیہ لے آئے۔ دارالعلوم کراچی میں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شیخ احمد زہرانی پاکستان کے دورے پر کراچی آیا تو اس نے میرے نام رقعہ بھیجا کہ فلاں جگہ آکر مجھ سے ملو میں ملاقات کیلئے اپنے ہمراہ حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان کو بھی لے کر گیا۔ اس نے شیخ زہرانی کو کافی تحفے تحائف دیئے اور ساتھ ہی اس سے درخواست کی کہ مجھے جامعہ احسن العلوم میں تعینات کرے۔ دارالعلوم کراچی میں کافی شیوخ ہیں ہمارا مدرسہ احسن العلوم اس اعتبار سے یتیم ہے ۔ انکی ہمارے ہاں کافی ضرورت ہے۔ شیخ زہرانی نے جاتے ہی میرا تبادلہ جامعہ احسن العلوم کراچی کر دیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحقؒ کے مرض وفات میں مولانا منصور الرحمان صاحب (جو شیخ الحدیث مولانا زرولی خان صاحب کے خصوصی رفقاء میں سے ہیں) ان کی عیادت کیلئے ہسپتال گئے تو انہوں نے میرے بارے میں ان سے تفصیلی پوچھا کہ کون کون سی کتابیں پڑھاتا ہے اور پھر اس مجلس میں فرمایا کہ ہم بھی اللہ سے مانگیں گے کہ شیر علی شاہ حقانیہ واپس آئے، کچھ عرصہ بعد سعودی سفیر کے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے مولانا جلال الدین حقانی نے منبع العلوم میرانشاہ میں میری تعیناتی کروائی۔ آخرکار شوال ۱۴۱۷ھ میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی کوششوں سے دارالعلوم حقانیہ میری واپسی ہوئی۔ یقیناً یہ حضرت شیخ الحدیثؒ کے منہ کا گفتہ تھا جو سچ بن کر سامنے آیا۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

ایصالِ ثواب

...... مولانا عبد الغفار اٹکی حفظہ اللہ

اللہ تعالی نے بندہ مومن کے لیے بڑی آسانیاں پیدا فرمائی ہیں چنانچہ آخرت تو ہے ہی مومن کے لیے کہ آخرت میں ہی اللہ تعالی کی صفت رحیم کے تحت رحمت خاصہ کا ظہور ہو گا جس کی وجہ سے جنت مومن کا مقدر بنے گی باقی دنیا ہو یا برزخ ان دونوں جہانوں میں مومن کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ دنیا میں نیکی کرتے تب بھی ثواب ملتا ہے اور برزخ میں جاکر اگرچہ خود نیکی نہیں کر سکتا تاہم اگر کوئی اس کے لیے نیکی کر تو اس کا ثواب بھی ملتا ہے پہلی بات میں تو اتفاق ہے کہ دنیا میں مومن جو نیکی کرے اس کا ثواب ملتا ہے۔

لیکن دوسری بات میں غیر مقلدین نے بے تکی سی تقسیم کر دی ہے کہ تلاوتِ قرآن کے علاوہ دیگر نیکیوں کا ثواب تو میت کو پہنچتا ہے لیکن تلاوت کا ثواب نہیں ملتا۔ تلاوتِ قرآن کا ایصالِ ثواب ناجائز اور غلط ہے۔

چنانچہ تفسیر احسن البیان میں ہے۔ (وان لیس للانسان الا ما سعیٰ) اس آیت سے ان علماء کا استدلال صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں ملتا۔ (تفسیر احسن البیان ص 691)

اسی طرح فتاویٰ اصحاب الحدیث میں ہے:

صحیح موقف یہی ہے کہ قرآن پڑھنے کا میت کو ثواب نہیں پہنچتا۔

(فتاویٰ اصحاب الحدیث ج 1 ص 157)

جبکہ اہل السنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ دیگر عبادات کی طرح تلاوت

قرآن کریم کا ایصالِ ثواب درست بھی ہے اور میت کو ثواب پہنچتا بھی ہے۔

اہل السنت والجماعت کے یوں تو بکثرت دلائل اس موضوع پر موجود ہیں اور علماء کرام نے اپنی گرانقدر تصنیفات بھی امت کے سپرد کی ہیں۔ ذیل میں ہم اہل السنت والجماعت کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔

حدیث نمبر 1 :

علاء بن اللجلاج کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو میرے لیے لحد بنانا اور جس وقت مجھے لحد میں رکھ دو تو بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہنا پھر مجھ پر مٹی ڈالنا اور پھر اس کے بعد سر کی جانب سورۃ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ تلاوت کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ کو ایسے ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ (رواہ الطبرانی بسند صحیح، المعجم الکبیر ج 8 ص219)

حدیث نمبر2:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مسلمان مر جائے تو اس کو اپنے پاس روک کے نہ رکھو بلکہ جلدی سے اسے اس کی قبر تک پہنچادو اور پھر اس کے سرہانے کھڑے ہو کر سورۃ الفاتحہ اور پاؤں کی طرف کھڑے ہو کر سورۃ البقرہ کا آخری رکوع پڑھنا چاہیے۔ (رواہ الطبرانی بسند صحیح، المعجم الکبیر ج6 ص255)

حدیث نمبر3:

حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مردے کے پاس سورۃ بقرہ کی تلاوت کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، ج7 ص113)



مذکورہ بالا احادیث میں مطلقاً تلاوت کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر تلاوت کرنے کی تاکید کی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ مطہرہ کا مقصود محض تلاوت کروانا نہیں بلکہ تلاوت کے ذریعے مردے کو فائدہ پہنچانا بھی ہے

حدیث نمبر 4:

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب (قبرستان کے اہل ایمان) مردوں کو بخش دے تو اللہ تعالی اس کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب عطاء کرتے ہیں۔ (کنزالعمال ج15 ص276)

حدیث نمبر 5:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ جس نے قبرستان میں داخل ہونے کے بعد سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص اور سورہ تکاثر پڑھ کر کہا کہ میں اپنے تمام پڑھے ہوئے کا ثواب اس قبرستان کے اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو ایصال ثواب کرتا ہوں تو وہ سارے مردے اللہ تعالی کے ہاں اس کے لیے سفارشی بنیں گے۔

(شرح الصدور ص 311 باب فی قراۃ القرآن للمیت او علی القبر)

حدیث نمبر 6:

حضرت انس رضی اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر سورہ یٰس پڑھے تو اللہ تعالیٰ قبرستان والوں سے عذاب کی تخفیف فرماتے ہیں اور اس پڑھنے والے کو مردوں کی مقدار کے برابر نیکیاں عطا کرتے ہیں۔ (شرح الصدور 33)

حدیث نمبر 7:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں سے ہوا جن کے مردوں کو عذاب ہو رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذاب کی وجہ بیان کرنے کے بعد ایک تر ٹہنی دو حصوں میں چیر کر ہر قبر پر ایک حصہ گاڑ دیا۔ پھر صحابہ کرام کے پوچھنے پر ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں شاید اس وقت تک ان کے عذاب میں تخفیف رہے۔ (صحیح بخاری ص318)

ٹہنیوں کے خشک نہ ہونے تک عذاب میں تخفیف ہونے کی بابت علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ امام خطابی کے حوالے سے لکھتے ہیں: س کی وجہ اھل علم کے نزدیک یہ ہے کہ تمام اشیاء جب تک اپنی اصلی خلقت پر تروتازہ رہتی ہیں وہ تسبیح کرتی رہتی ہیں یہاں تک کہ ان کی تری خشک ہو جائے۔ جب ایک بے جان چیز کا یہ حال ہے کہ اس کی تسبیح کی وجہ سے مردے کو اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے تو اشرف المخلوقات انسان پھر وہ بھی مومن اشرف الکلام قرآن کریم کے پڑھنے سے مردے کو کتنا فائدہ ہو گا اس بات کو سمجھنا کسی بھی عقل مند کے لیے مشکل نہیں ہے: چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فاذا خفف عنهما بتسبح الجريد فكيف بقراءة القرآن (ایضاً)

جب ٹہنی کی تسبیح کی وجہ سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے تو مومن کی تلاوت قرآن کریم کا کیا عالم ہو گا؟؟

باقی رہا کہ اللہ کے نبی کے علاوہ کوئی اور شخص اگر قبر پر سبز ٹہنی گاڑے تو اس کا کیا حکم ہے۔ ان شاء اللہ کبھی کسی اور مقام پر تفصیل سے عرض کر دیں گے۔

ایصال ثواب کا مسئلہ ائمہ مجتہدین کے ہاں بھی مسلم ہے۔

مسلک احناف:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اس بات میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے (مثلاً نماز، روزہ، صدقہ، حج، قراۃ قرآن، ذکر واذکار، انبیاء علیھم السلام، شھداء اولیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت...... اور ان کے علاوہ دیگر جتنے بھی نیکیوں کے کام ہیں سب کا ثواب دوسروں کو بخشا جا سکتا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج 1 ص 283)

مسلک مالکیہ :

علامہ قرطبی المالکی رحمہ اللہ (م 681ھ) لکھتے ہیں: میت تک قرات قران کا ثواب پہنچتا ہے۔ (التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الا آخرۃ ص 173)

مسلک شافعیہ:

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام زعفرانی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے قبر کے پاس قرات کے متعلق سوال کیا تو امام شافعی نے فرمایا لا باس بہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(شرح الصدور ص 311 فی قرأۃ القرآن للمیت او علی االقبر)

اسی طرح امام نووی (م 676ھ) فرماتے ہیں: مستحب یہ ہے کہ بعد از دفن قبر کے پاس کچھ دیر کھڑے رہیں میت کے لیے دعاء اور استغفار کریں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو صراحۃً بیان کیا ہے اور اس پر تمام شوافع کا اتفاق ہے۔ شوافع کا یہ بھی کہنا ہے کہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت بھی کی جائے کہ یہ مستحب ہے اور اگر مکمل قرآن ختم کریں تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

(المجوع شرح المھذب ج6 ص296 باب حمل الجنازۃ)

قسط نمبر 3: ......مولانا محمد اختر حنفی حفظہ اللہ

اسلام پُر اَمن مذہب ہے !!

یہودیت:

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد یہودیوں نے بیت المقدس پر پانچ سو سال حکومت کی مگر ان کے ظلم و ستم، اللہ اور اس وقت کے پیغمبروں کی نافرمانی کے جرم میں بخت نصر کی شکل میں ان پر عذاب آیا۔ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر بابل لے گیا۔ ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ یہود اپنی سرکشی، نسل پرستی اور سماج دشمن سرگرمیوں اور شر پسندیوں کی وجہ سے مختلف ممالک سے نکالے گئے۔ آخر عربوں کے ہاں پناہ ملی۔ بعثت نبوی سے پہلے یہود مدینہ اور خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔ یہود نے اپنی مقدس کتاب تورات میں آخری نبی کی نشانیاں پڑھ رکھی تھیں، مدینہ میں انتظار کر رہے تھے لیکن ان کو پتہ چلا کہ وہ آخری نبی ہماری نسل یہود میں سے نہیں اس بنیاد پر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ شریف میں تین گروہوں سے سامنا کرنا پڑا۔ پہلا عبد اللہ بن ابی سلول جس نے منافقت کی بنیاد ڈالی دوسرا یہود کا وہ گروہ جس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور تیسرا گروہ وہ جو یہودیت پر ہی قائم رہا۔ نہ منافقت اختیار کی اور نہ ہی اسلام کی آغوش میں آیا۔

اس تیسرے گروہ کو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی استحکام اور قیام امن کے نفاذ میں رکاوٹ سمجھ کر مدینہ سے نکال دیا۔

چنانچہ 15 شوال 2 ہجری میں غزوہ بنی قینقاع پیش آیا۔ مدینہ منورہ میں موجود یہودیوں میں سے یہ سب سے پہلا قبیلہ تھا جس نے عہد شکنی کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سختی سے جواب دیا اور جنگ کے لئے قلعہ بند ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعے کا سخت محاصرہ کر لیا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ یہ معاہدہ کر کے قلعہ سے اتر آئے کہ ان کے اموال مسلمانوں کے ہونگے اور ان کی عورتیں اور بچے خود ان کے رہیں گے قلعے سے اترنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشکیں باندھ دیں اور اس کام پر حضرت منذر بن قدامہ کو مقرر فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کی منت سماجت کرنے پر انہیں قتل کرنے کے بجائے اپنے مال و اسباب سمیت جلا وطن ہونے کا حکم صادر فرمایا چنانچہ وہ اذرعات کی طرف چلے گئے۔ (طبقات ابن سعد)

اس کے دو سال بعد غزوہ بنی نضیر کا معرکہ لڑا گیا یہ غزوہ ربیع الاول 4ھ میں پیش آیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا چھتیسواں مہینہ شروع ہوا تھا یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر نے عہد شکنی اور شرارت کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا کئی دن کے محاصرے اور مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے باغات کی تباہی کے بعد ان کے دلوں پر اللہ تعالی نے رعب طاری کر دیا اور انہوں نے صلح کی درخواست کی چنانچہ انہیں اسلحے کے سوا باقی اتنا سامان جو ان کے اونٹ اٹھا سکیں لے کر جلا وطن ہونے کی اجازت دے دی گئی ان میں سے اکثر نے خیبر کا رخ کیا جبکہ بعض شام جا کر آباد ہو گئے اس واقعے کے بیان میں قرآن مجید کی سورہ حشر نازل ہوئی۔

اس کے بعد متعدد غزوات پیش آئے۔ شوال المکرم 5 ہجری میں غزوہ خندق پیش آیا۔ غزوہ خندق سے واپسی پر صبح کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمانوں کو لے کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور سب نے اپنا اسلحہ رکھ دیا ظہر کے وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور فرمانے لگے یارسول اللہ کیا آپ نے اسلحہ اتار دیا ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاہاں جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا فرشتوں نے تو ابھی تک اسلحہ نہیں اتارا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو بنو قریظہ کی طرف کوچ کا حکم دیا ہے میں ان کی طرف جا کر انہیں لرزاتا ہوں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ جو مسلمان بھی فرمانبردار ہے وہ عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھے۔ یہ 23 ذی القعدہ 5ھ بدھ کے دن کا واقعہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین ہزار صحابہ کرام تھے اور لشکر میں چھتیس گھوڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ فرمالیا اور یہ محاصرہ پچیس راتوں تک جاری رہا بنو قریظہ والے سخت تنگی میں پڑگئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں رعب ڈال دیا چنانچہ وہ قلعوں سے اتر آئے اور ان کی خواہش پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو باندیاں اور غلام بنا لیا جائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو فرمایا کہ آپ نے ان کے بارے میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلے کو جاری فرما دیا اور بنو قریظہ کے چھ سو یا سات سو اسلام دشمن یہودیوں کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد یہود نے خیبر میں جا کر پناہ لی۔ خیبر قلعوں والے ایک شہر کا نام ہے۔ غزوہ حدیبیہ سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم 7ھ میں خیبر کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت سلمہ بن اکوع بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو میرے چچا حضرت عامر بن اکوع نے اشعار پڑھے۔

[جن کا مفہوم یہ ہے]

اے اللہ تو ہدایت نہ فرماتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ خیرات کر سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے۔ اے پروردگار ہم تیرے فضل و کرم سے بے نیاز نہیں ہیں ۔ دشمنوں سے لڑائی کے وقت ہمیں ثابت قدمی عطاء فرما اور خاص سکینہ ہم پر نازل فرما۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار سن کر پوچھا یہ کون ہیں انہوں نے فرمایا میں عامر ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی کو مغفرت کی دعا دیتے تھے تو وہ شخص ضرور شہید ہوتا تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اونٹ پر بیٹھے ہوئے عرض کیا یارسول اللہ کاش آپ عامر کی شجاعت سے ہمیں چند روز اور نفع عطاء فرماتے۔(مسلم شریف)

اس جنگ کے دوران اہل خیبر کا مشہور سردار مرحب مقابلے کے لئے نکلا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

[مفہوم]

اہل خیبر اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں

سلاح پوش، بہادر اور تجربہ کار ہوں

حضرت عامر بن اکوع اس کے مقابلے میں نکلے تو آپ نے یہ شعر پڑھا

[مفہوم]

اہل خیبر جانتے ہیں کہ میں عامر ہوں

سلاح پوش، بہادر اور جنگوں میں گھسنے والا ہوں

مقابلے کے دوران حضرت عامر کی تلوار پلٹ کر ان کے اپنے گھٹنے پر لگی



جس سے وہ شہید ہو گئے ان کے اس طرح شہید ہونے پر بعض لوگوں نے کہا کہ عامر کے سارے اعمال ضائع ہو گئے حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ میں روتا ہوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے لوگوں کی یہ بات بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ جھوٹ بولتے ہیں عامر رضی اللہ عنہ کے دو اجر ہیں [ایک شہید کا اور دوسرا لوگوں کی ان باتیں بنانے کا] پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس قلعے کی فتح کے لئے اب ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں میں ان کو ہاتھ سے پکڑ کر لے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر لعاب مبارک لگایا تو وہ ٹھیک ہو گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا تو آپ مرحب کے مقابلے میں نکلے مرحب نے میدان میں نکل کر وہی اشعار پڑھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ رجز پڑھے

[مفہوم]

میں وہی ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر یعنی شیر رکھا ہے

اور جنگل کے شیر کی طرح دیکھنے والوں کو ہیبت میں ڈالنے والا ہوں

مقابلہ شروع ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں مرحب کے سر کو دو ٹکڑے کر دیا پھر اس کا بھائی یاسر مقابلے میں نکلا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔

یہی بات زیادہ درست ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل



کیا جبکہ بعض لوگ حضرت محمد بن مسلم رضی اللہ عنہ کو مرحب کا قاتل بتاتے ہیں۔

☆حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خیبر کے قریب صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین۔ [اللہ سب سے بڑا ہے خیبر تباہ ہو گیا بے شک جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو پھر ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے]

یہود آپ کے لشکر کو دیکھ کر گلیوں میں بھاگنے لگے آپ نے لڑنے والوں کو قتل کیا اور باقی کو قیدی بنایا۔

یہ اپنی اسلام دشمن سرگرمیوں سے باز نہ آئے اور مسلسل دین اسلام کو مٹانے اور دنیا میں امن کے قیام کے عالمی منصوبے یعنی نفاذ اسلام میں روڑے اٹکانے لگے۔ چونکہ سرکشی، سازشی عنصر ان کے خمیر میں شامل تھا اس لیے اللہ کے نبی نے ان کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم دیا۔ اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کو شام کی طرف دھکیل دیا گیا۔

اس کے بعد اس سازشی قوم پر زمین تنگ ہو گئی اور ان کو کہیں بھی رہنے نہیں دیا گیا۔ کبھی کہیں اور کبھی کہیں۔ دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ آخر کار یہ شام، عراق، ایران، فلسطین اور یورپی ممالک میں پھیلنا شروع ہوئے۔

اپنی ذریت کو مٹتا دیکھ کر یہودی تھنک ٹینک، مفکر، دانشور اور ان کے سیاسی و سازشی زعماء سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ کہ ایک لائحہ عمل طے کیا جائے جس سے اپنے لیے الگ ملک حاصل کیا جائے۔ چنانچہ..................(جاری ہے)

قسط نمبر 6: ✍...... الشیخ محمد نواز الحذیفی حفظہ اللہ

عربی خطبۂ جمعہ مقامی زبان میں... علمی و تحقیقی تجزیہ

اسلام میں عربی زبان کی فضیلت اور اہمیت:

یہی وجہ ہے کہ جہاں اسلام نے اسلامی تعلیم کے حصول پر زور دیا ہے وہاں ساتھ عربی زبان کی تعلیم پر بھی بہت تاکید فرمائی ہے، عربی زبان کی فضیلت اور اہمیت پر کچھ روایات ملاحظہ فرمائیں:

:1 عن ابی هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كلام اهل الجنة العربية۔

(صفۃ الجنۃ لابی نعیم الاصبہانی ج2 ص113)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

:2 عن ابی بن كعب رضى الله عنه قال: تعلموا العربية كما تعلمون حفظ القران.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج6 ص116 باب ماجاء فی اعراب القران)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عربی زبان کو بھی اسی طرح سیکھو جیسے تم قرآن کریم کو حفظ کرنا سیکھتے ہو۔

:3 عن قتادة قال كتب عمر الى ابی موسى اما بعد۔ فانی كنت آمركم بما آمركم به القران وانہا كم عما نہا كم عنه محمد صلى الله عليه وسلم وامركم باتباع الفقه والسنة والتفهم فی العربية.

(جامع معمر بن راشد ج1 ص213 باب الرویا)

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا: اما بعد! میں تمہیں ان کاموں کے کرنے کا حکم دیتاہوں جن کے کرنے کا قرآن نے حکم دیااور ان کاموں سے روکتاہوں جن سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اور تمہیں فقہ اور سنت کی پیروی اور عربی میں سمجھ حاصل کرنے کا حکم دیتاہوں۔

4: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تفقهوا فی الدین واحسنوا عبارة الرویاوتعلموا العربیة.

(مصنف عبد الرزاق ج4 ص323 باب مایکرہ ان یصنع فی المصاحف)

دین میں گہری سمجھ حاسل کرو خواب کی بات کو اچھی طرح پیش کرو اور عربی زبان سیکھو۔

5: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے: تعلموا العربیة فانها تزید فی المروءة.

(شعب الایمان ج3 ص210)

عربی زبان سیکھو اس لیے کہ یہ عزت میں اضافہ کرتی ہے۔

6: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی فرمان ہے: تعلموا العربیة فانها تثبت العقل وتزید فی المروءة. (شعب الایمان ج3 ص210)

عربی زبان سیکھو اس لیے کہ یہ عقل کو باقی رکھتی اور پختہ کرتی ہے اور عزت میں اضافہ کرتی ہے۔

یہ روایات تو عربی زبان کی اہمیت اور فضیلت کے متعلق تھیں، اب کچھ روایات عجمی زبان کی مذمت سے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیں۔۔۔۔۔۔۔ (جاری ہے)

بلاضرورت غیر عربی زبان سے لگاؤ:

عربی خطبہ کے ترجمہ کے قائل حضرات کے ممدوح حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کے مجموعۃ الفتاویٰ سے بلاضرورت عجمی زبان سے لگاؤ کی مذمت کے متعلق کچھ روایات یہاں نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہو گا، اس لیے درج کی جاتی ہیں:

1: بیہقی نے صحیح اسناد کے ساتھ یہ روایت کی ہے:

قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: لاَ تَتَعَلَّمُوا رَطَانَةَ الأَعَاجِمِ وَلاَ تَدْخُلُوا عَلَى الْمُشْرِكِينَ فِي كَنَائِسِهِمْ يَوْمَ عِيدِهِمْ فَإِنَّ السُّخْطَةَ تَنْزِلُ عَلَيْهِمْ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: کہ عجمیوں کی گفتگو نہ سیکھو اور مشرکوں کے کنیسوں میں ان کی عید کے دن نہ جاؤ کیوں کہ خدا کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے۔

2: ابو محمد کرمانی رحمہ اللہ نے کہا:

قلت لاحمد فان للفرس ایاما وشھورا یسمونھا باسماء لا نعرف فکرہ ذالك اشد الکراھیة وروی عن مجاھد حدیثا انه کرہ ان یقال احد ماروی ما قلت فان کان اسم رجل اسمیه به فکرھه وجهه کراھة ان یتعود الرجل النطق یغیر العربیة فان لسان العربیة شعائر الاسلام واھله ولغات من شعائر الاصم التی بھا یتمیزون۔

میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا کہ فارسیوں کے مہینوں کے نام مجھے معلوم نہیں ہیں، ان کو میری یہ بات سخت ناگوار ہوئی، اور انہوں نے مجاہد رحمہ اللہ سے ایک حدیث روایت کی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا دوسری زبان کے الفاظ کو برا جانتے حتیٰ کہ اگر کسی کا نام ہوتا تو بھی آپ پسند نہ فرماتے کیونکہ زبان عربی



شعائر اسلام سے ہے اس لیے کہ قوم کی زبان اس کے شعائر میں سے ہوا کرتی ہے۔

3: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما یعلم الرجل بالفارسیة الا خب ولا خب الا نقصت مروته

آدمی فارسی سے صرف مکر سیکھتا ہے اور مکر سے مروت کم ہو جاتی ہے۔

4: حدثنا اسماعیل بن علیة عن داود بن ابی ھند ان محمد بن سعید بن ابی وقاص سمع قوما یتکلمون بالفارسیة فقال ما بال المجوسیة۔

حدیث بیان کی ہم سے اسماعیل بن علیہ نے بروایت داود بن ابی ہند کہ محمد بن سعید بن ابی وقاص نے ایک قوم کو فارسی میں باتیں کرتے دیکھ کر فرمایا کہ مجوسیوں کا کیا حال ہو گا (یعنی برا حال ہو گا)

5: وقد روی السلفی من حدیث سعید بن علاء البزدعی حدثنا اسحاق بن ابراھیم البلخی حدثنا اسامة بن زید عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یحسن ان یتکلم العربیة فلا یتکلم بالعجمیة فانه یورث النفاق۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بخوبی عربی بول سکتا ہو اسے عجمی زبان میں بات نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس سے نفاق پیدا ہوتا ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی اردو علامہ عبد الحی لکھنوی ج1 ص277 تا279)

نوٹ:

علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے یہ روایات غالباً علامہ ابن تیمیہ کی کتاب اقتضاء صراط المستقیم سے نقل کی ہیں۔

❖ ....جاری ہے

لوحِ ایام

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا میں معزز مہمانان گرامی کی آمد اور متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کے اندرون وبیرون ممالک کے مختلف مسلکی اسفار اہم مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات سے خصوصی ملاقاتیں

❖ **یکم نومبر** متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ 24 روزہ مسلکی و تبلیغی دورہ نیپال، ملائشیا اور کینیا سے واپس مرکز اہل السنت والجماعت میں تشریف لائے۔

❖ **یکم نومبر** شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ رحمہ اللہ کے جنازے میں مرکز اہل السنت والجماعت کے مہتمم اور دیگر اساتذہ شریک ہوئے۔

❖ **4 نومبر** کو شوریٰ مرکز اہل السنت والجماعت اور عالمی اتحاد اہل السنت والجماعت کی شوریٰ کا مشترکہ اجلاس ہوا۔ جس میں بیرون کے دورہ کی کارگزاری اور 6 دسمبر 2015 کو ہونے والے علماء اجتماع کو کامیاب بنانے کے لیے باہم مشاورت ہوئی۔

❖ **5 نومبر** جمعرات مرکز میں اصلاحی بیان، مجلس ذکر ہوئی بعد ازاں کثیر افراد حضرت الشیخ مولانا محمد الیاس گھمن سے چاروں سلاسل میں بیعت ہوئے۔

❖ **5 نومبر** بروز جمعرات ماہانہ تین روزہ تحقیق المسائل کورس ہوا۔

❖ **7 تا 11 نومبر** مرکز اہل السنت والجماعت اور مرکز اصلاح النساء کے تمام تعلیمی شعبہ جات [تخصص فی التحقیق والدعوۃ، درس نظامی، حفظ و ناظرہ قرآن کریم، دراساتِ دینیہ] کے سہ ماہی امتحانات ہوئے۔

❖ **11 تا 14 نومبر** کو تعطیلات ہوئیں۔

❖ **11 تا 16 نومبر** متکلم اسلام نے سندھ کا 6 روزہ مسلکی و تبلیغی دورہ کیا۔

ماہنامہ فقیہ ملنے کے پتے

ایجنسی ہولڈرز	علاقہ	فون نمبرز
دارالایمان	کراچی	03342028787
ڈاکٹر تحسین اللہ	پشاور	03339217613
مولانا محمد نوید حنیف	آزاد کشمیر	03132317090
مولانا محمد شہباز	کبیر والا	03066310082
مولانا محمد صدیق	ڈیرہ غازی خان	03356351893
مولانا محمد قاسم حنفی	ملتان	03007408019
مولانا عمر خطاب	اٹک	03077375075
رحمت اللہ	کوہاٹ	03449251287
مولانا خالد زبیر	فیصل آباد	03153759031
مولانا خالد زبیر	چکوال	03335912502
محمد رئیس	ٹانک	03319143483
مولانا محمد دلاور	اوکاڑہ	03136969193
مولانا عبد اللہ قمر	قصور	03008091899
مولانا محمد احمد	نواب شاہ	03073224540
عبدالوکیل عزیزی	سیالکوٹ	03338639255
ذوالقرنین حیدر	ڈیرہ اسماعیل خان	03343682508

نوٹ: ایجنسی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں: 03326311808